وادیٔ گنگ و جمن

سے

وادیٔ مہران

تک

نتیجۂ فکر

سیّد اشتیاق اظہر

وادیٔ گنگ و جمن سے وادیٔ مہران تک
داستانِ شوق کے عنواں رقم کرتے رہے

سید اشتیاق اظہر

عرضِ شاعر

میرا دیوان "وادیٔ گنگ وجمن سے وادیٔ مہران تک" میری ان ادبی تخلیقی کاوشوں کا مظہر ہے جس میں کانپور سے کراچی تک کی تمام غزلیں شامل ہیں اور یہ میری تقریباً چالیس برس کی ادبی پونجی ہے جو قارئین کے پیشِ خدمت ہے۔ میں نے اس نام کو اولاً تو اس لئے پسند کیا کہ یہ میرے ہی ایک شعر کا جزو ہے جو یہ ہے ؎

وادیٔ گنگ وجمن سے وادیٔ مہران تک
داستانِ شوق کے عنواں رقم کرتے رہے

اور ثانیاً یہ نام اس سارے کلام کا صحیح احاطہ بھی کرتا ہے جو آپ اس مجموعہ میں پائیں گے۔
جہاں تک اس شعری مجموعہ کی ترتیب کا تعلق ہے، میں نے سب سے آخری غزل کو سب سے پہلے اور سب سے پہلی غزل کو سب سے آخر میں پیش کیا ہے اور پڑھنے والے کو اس ترتیب سے میرے ذہن اور شعری ارتقا کا بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں میں نے ان شہروں کی بھی نشاندہی کر دی ہے جہاں جہاں یہ کلام تخلیق و ترتیب کے مراحل سے گذرا ہے۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے کہاں کہاں کے ادبی ماحول سے اثر قبول کیا اور کن کن مقامات کی ادبی داستانوں کی تزئین و تخلیق میں حصّہ لیا ہے۔

جیسا کہ آپ کو اس مجموعہ اشعار کے مطالعے سے محسوس ہو گا۔ اس میں صرف غزلیات ہی پیش کی گئی ہیں۔ اور میری شعری زندگی کے سفر کا نقطۂ آغاز وادیٔ گنگ وجمن کا ایک شہر اٹاوہ ہے، جہاں میرے بیشتر بزرگ محوِ استراحت ہیں، اور میرا پہلا شعر یہ ہے ؎

میں اُن کے سامنے ہوں وہ ہیں میرے سامنے
اب کوئی درمیان میں حائل نہیں رہا۔

لیکن اس امر سے قطع نظر میرے ابتدائی کلام کا سرچشمہ سرزمین کانپور کا وہ ادبی اور شعری ماحول ہے جس نے میری ادبی اور شعری زندگی کو جلا بخشی۔ میرے ابتدائی دور کے زمانہ میں اٹاوہ میں بیدم وارثی کی دھوم تھی۔ مگر اس زمانے میں خود میرے اپنے خاندان کے کئی فرد بھی جن میں جناب شاکر اٹاوی اور میرے اپنے بہنوئی مصباح الحسن بھی شامل ہیں۔ اپنے شہر کی ادبی زندگی میں نمایاں حصہ لیتے تھے اور میرے خسر خان بہادر آغا جان کا تو شمار سرزمین شہر میں ہوتا تھا۔ اٹاوہ کے ادبی ماحول میں مجھے اب بھی اشرفی لال کا مشاعرہ اور اٹاوہ کی مشہور صنعتی نمائش کا ادبی اجتماع یاد ہے۔ جہاں پہلے پہل میری شکیل بدایونی سے ملاقات ہوئی اور محشر بدایونی سے بھی وہیں ملا کہ وہ بھی اس وقت شکیل کے ہمراہ مشاعرہ میں موجود تھے۔ اس کے بعد بھی دو ایک بار شکیل بدایونی سے ملنے کا موقع ملا اور ان کی ایک نصیحت تو مجھے ہمیشہ یاد رہے گی کہ اس پر عمل کرنے سے میں بہت سی برائیوں سے بچ گیا۔ شکیل کا کہنا تھا کہ اگر زندگی میں ترقی مقصود ہے تو پھر تمہیں لڑائی جھگڑے اور جنگ و جدل کے ماحول سے پہلو تہی کرنا اور ان کانٹوں سے اپنے دامن کو بچانا ہوگا۔ شکیل بدایونی اب اس دنیا میں نہیں ہیں مگر ان کے یہ قیمتی الفاظ اب بھی میرے کانوں میں گونجا کرتے ہیں اور میں ان کی یہ نصیحت نئی نسل کے افراد تک پہنچانے میں خاص طمانیت محسوس کرتا ہوں۔

کانپور میری شعری اور ادبی زندگی میں جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے ایک اہم نقطۂ ارتقاء کی حیثیت رکھتا ہے۔ میں نے بھی یہیں شعر کی محفلیں گرم کیں۔ طرحی مشاعرے لوٹے اور ادبی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ اور ۳۴ برس گذرنے کے بعد بھی اکثر و بیشتر خواب میں مجھے کانپور کے یہ جلوے نظر آیا کرتے ہیں۔ میں نے یہاں بعض ایسی رفاقتیں قائم کیں جو اب بھی میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ میں نے جب شعر کہنے اور پڑھنے شروع کئے تو تحت اللفظ پڑھتا تھا اور کبھی کبھی میرے اسکول اور کالج کے ساتھی عبدالسمیع جن سے گذشتہ ۳۴ برس کے دوران ایک بار بھی ملاقات نہ ہوئی اور نہ جانے وہ حیات بھی ہیں کہ نہیں میرے کلام کو ترنم سے مشاعروں میں سنا دیا کرتے تھے۔ کانپور کی ادبی زندگی کو میں اپنے حساب سے تین حصوں میں تقسیم کر سکتا ہوں۔ ایک حصہ کا تعلق جامعہ ادبیہ کی سرگرمیوں سے تھا، جس میں میرے بزرگ سلیم ناطقی، شاکر ناطقی، سخا شاہجہاں پوری اور خواجہ عبدالسلام پیش پیش تھے۔ دوسرا حصہ معیار ادب اور بزم جگر کا تھا جس میں عیاں کانپوری، کوثر

کانپوری۔ انور کانپوری، منظر کانپوری اور شارق ایرایانی نمایاں تھے اور میرے حلقہ میں میرے اپنے ہم عمر احباب کا تھا جن میں سرشار صدیقی، قمر ہاشمی، سالک آہاشمی، تابش کانپوری، شرب کانپوری، شارب الہاشمی اور دوسرے احباب شامل تھے۔

مجھے اپنے شعری سفر کے دوران فتحپور بھی جانا پڑا جہاں فرمان فتحپوری کی صحبتیں میسر رہیں۔ میں اس دوران سلطان پور بھی گیا، جہاں پہلے پہل میری ملاقات مولانا عبدالباری آسی ہزار لکھنوی اور محشر لکھنوی سے ہوئی۔ سلطان پور کے مشاعروں میں محشر لکھنوی کا یہ شعر جو حاصل مشاعرہ بھی قرار پایا تھا مجھے اب تک یاد ہے۔

قدم، قدم پہ مصیبت، نفس، نفس زحمت
مگر بشر ہے کہ مرتا ہے زندگی کے لئے

مولانا عبدالباری آسی سے مجھے سلطان پور کے علاوہ دوسرے شہروں میں بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اور میں ان کی قادرالکلامی کا آج بھی معترف ہوں۔ مرحوم جب لکھنؤ میں واقع اپنے گھر کے احاطے سے جو امیرالدولہ اسلامیہ اسکول کی پشت پر واقع نکلتے تھے تو یکہ اسٹینڈ تک اپنے شاگردوں کے لئے جو ان کے دائیں اور بائیں دونوں جانب ہوتے تھے، چلتے چلتے غزلیں کہہ دیتے تھے اور یہ شاگرد جو پنسل اور کاغذ سے لیس ہوتے تھے، ان کے کہے ہوئے اشعار کو لکھ کر شاعروں میں داد و تحسین حاصل کرتے، یہی حال ان کی اصلاح کا بھی تھا۔ میں نے خود ان کے شاگردوں کے پاس ان کی بعض اصلاح شدہ غزلیں دیکھی ہیں جن میں غزل پر اصلاح کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے بھی چند شعر غزل میں شامل کرنے کے لئے کہہ دیتے تھے، محشر لکھنوی کو پھر میں نے کبھی نہیں دیکھا لیکن ان کا وہ شعر جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے آج بھی میرے حافظہ میں محفوظ ہے اور مجھے یہ بھی یاد ہے کہ سلطان پور میں اس وقت مجروح بھی موجود تھے جو منتظمین مشاعرہ سے ناچاقی کی بناء پر شہر میں ہوتے بھی شریک مشاعرہ نہیں تھے اور میں ان سے ملنے کے لئے خود ان کے گھر گیا تھا۔

مجھے رائے بریلی کا وہ مشاعرہ بھی یاد ہے جس کی صدارت مولانا صفی لکھنوی نے کی تھی مولانا صفی کی صدارت میں کلام پیش کرنے کا یہ میری زندگی کا پہلا اور آخری موقع تھا۔ اس

لئے کہ ہم نے جب شعر کہنے اور پڑھنے شروع کئے تو مولانا صفی جلوت نشین ہو چکے تھے. وہ اس تاریخی مشاعرہ میں محض خان بہادر محب عباس کی دلدہی کے لئے لکھنؤ سے تشریف لائے تھے. یہ مشاعرہ ایک سینما گھر میں منعقد ہوا تھا. جس میں ثاقب لکھنوی اور جگر مرادآبادی سمیت جنوبی ایشیا کے تمام شاعروں کی مکمل نمائندگی ہو رہی تھی. مشاعرہ طرحی تھا اور حضرت صفی رات بھر مشاعرہ میں نوجوان شعراء کی ہمت افزائی فرماتے رہے اور جب دوسرے دن مشاعرہ کے اختتام کے بعد مسٹر صدیق احمد صدیقی کے مکان پر ہم لوگ ناشتہ کی غرض سے جمع ہوئے تو عام تاثر یہی تھا کہ شعرائے کانپور کا کلام شعرائے لکھنؤ کے کلام پر بھاری تھا۔

اس طرح مجھے دیوہ شریف کا وہ مشاعرہ بھی یاد ہے جس کی صدارت اودھ چیف کورٹ کے مسٹر جسٹس غلام حسین بٹ نے کی اور جس میں میں نے روش صدیقی کی وہ غزل سب سے پہلے سنی جس کا مطلع یہ ہے

گلہ نہیں جو گریزاں ہیں چند پیمانے\
نگاہ یار سلامت ہزار میخانے

یہ مشاعرہ بھی اپنے سامعین اور شعراء کی بناء پر اس زمانے کے نادر روزگار مشاعروں میں تھا۔

علاوہ ازیں مجھے لکھنؤ، اناؤ اور دوسرے کئی شہروں کی ادبی نشستوں میں بھی شرکت کا موقع ملا۔ لکھنؤ کا وہ مشاعرہ تو مجھے اچھی طرح یاد ہے جو ریلوے کلب میں حافظ محمد صدیق کانپوری کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا۔ اور جس میں تمام شعرائے لکھنؤ شریک تھے اناؤ کے مشاعرے کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مولانا حسرت موہانی موجود رہے، اور وہ ہر نوجوان شاعر کی ہمت افزائی فرماتے رہے تھے۔

بھارت سے پاکستان آنے کے بعد میرا سلسلہ قیام کراچی میں ہی ہوا۔ یہ اواخر ۱۹۴۷ء کا زمانہ تھا تھا۔ اس وقت تک جو شعرائے کرام کراچی آچکے تھے وہ اپنے طور پر بھی غمگین تھا اور اقتصادی طور پر بھی بدحال تھے۔ میں نے اس عالم میں بھی علم وادب کی شمع فروزاں رکھی اور دسمبر میں ایک مشاعرہ منعقد کیا۔ میری یہ بڑی خواہش تھی کہ سید آل رضا بھی جو اس

زمانے میں کراچی آچکے تھے اس مشاعرے میں شریک ہوں لیکن وہ اس وقت تک مشاعروں میں شرکت کے موڈ میں نہیں تھے۔

تھوڑے عرصے کے بعد مجھے برنس روڈ پر ایک مکان پگڑی پر مل گیا اور ہم اس میں منتقل ہوگئے۔ چنانچہ یہاں بھی مشاعروں کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ نہال سیوہاری، بہار کوٹی، ماہر القادری، رئیس امروہوی، ساحر عباسی اور دوسرے شعرائے ان مشاعروں کے توسط سے تعلقات کا ایک سلسلہ پیدا ہوا۔ جو ان تمام شعراء کی زندگی تک قائم رہا۔ اب نہ نہال سیوہاری زندہ ہیں اور نہ بہار کوٹی، ماہر القادری اور ساحر عباسی بھی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ہائے یہ کیسے اچھے شاعر اور عظیم انسان تھے۔ رئیس امروہوی اب بھی یاد اللہ کا سلسلہ جاری ہے اور غالباً آئندہ بھی جاری رہے گا۔ اسی زمانہ میں ٹیپ ریکارڈ کا نیا نیا سلسلہ شروع ہوا تھا اور چونکہ ڈاکٹر اظہر ٹیپ ریکارڈر لے کر نئے امریکہ سے آئے تھے اس لئے ہمارا ایک مشاعرہ انھوں نے ٹیپ کیا اور تمام شعرائے کرام اس کا پلے بیک سننے کے لئے بڑے چاؤ سے بیٹھے رہے۔ اس زمانے میں ڈاکٹر اظہر کے چھوٹے بھائی ع علی داور جو بعد میں آغا حسن عابدی کے بہنوئی بنے ہم سے ذہنی آزمائش کی مشق کیا کرتے تھے۔ اب وہ کسی بڑے عہدے پر ہیں اور برسوں سے ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔

پاکستان میں میرے شہری سفر کی دوسری منزل حیدرآباد تھی جہاں عمر عزیز کے ۶، ۷ سال بسر ہوئے۔ ہائے کیا زمانہ تھا جب موتی محل میں بھی ادبی محفلیں گرم ہوتی تھیں اور میرے مکان پر بھی ادبی اجتماعات منعقد ہوتے تھے۔ رعنا اکبرآبادی، صبا اکبرآبادی، حضور آحمد سلیم، پروفیسر ضیاء، پروفیسر ارشد رضا، اختر انصاری اکبرآبادی، ڈاکٹر خان رشید، ارتضیٰ عزمی، سلطان جمیل نسیم۔ ان تمام ادبی اجتماعات میں التزام کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ یہیں جناب نیاز احمد کی سرپرستی میں بھی تین بار ایسے عظیم الشان مشاعرے ہوئے جو تا حیات یاد رہیں گے۔ مجھے بھی مرزا عابد عباس اور دوسرے احباب کے ساتھ ان مشاعروں کے منتظمین میں شامل رکھا گیا اور اپنے زمانے کے تمام شاعر ان میں شریک ہوکر ان مشاعروں کی افادیت اور مقبولیت میں اضافے کا باعث بنتے تھے۔ اب میں کیا بیان کروں کہ ان میں کون کون سے شاعر شامل ہوتے تھے اور کون نہیں۔ یہ طویل داستانیں ایسی ہیں جن کو دہرانے سے اب

خوشی کی بجائے افسوس ہی ہوتا ہے۔ تاہم اس شہر سے میری وابستگی کا سلسلہ اب بھی قائم ہے۔ گو حالاتِ زمانہ مجھے وہاں جانے کا اب زیادہ موقع فراہم نہیں کر رہے۔ تاہم اب بھی ہمارے ہاں حیدرآباد میں جمیل الدین عالی، شوکت صدیقی، اور ضیاء جالندھری کی آمد اور ان کے اعزاز میں تقریبات کے جلوسے خیال و فکر کی حد تک ضرور نظر آیا کرتے ہیں۔ اور اختر انصاری اکبرآبادی اور حمایت علی شاعر کے میل ملاپ میں ہمارے موثر کردار کا کبھی کبھی ذکر ہو ہی جاتا ہے۔

حیدرآباد کے زمانۂ قیام میں مجھے سنڈو آدم، ٹنڈو محمد خان، شہدادپور، نوابشاہ اور میرپور خاص کے مشاعروں میں شرکت کا بارہا موقع ملا اور ان علاقوں میں میرپور خاص کے سیف سلطان پوری، شہدادپور کے فلک الہ بادی اور نواب شاہ کے ایم۔ ایم فرا شوری جو سب کے سب اللہ کو پیارے ہو گئے مگر کبھی کبھی اب بھی یاد آتے ہیں اور دل کو تڑپاتے ہیں۔

اسی زمانے میں بعض احباب کے ساتھ مل کر ہم نے مرکزِ علم و ادب قائم کیا جس کا میں صدر، مولانا غلام محمد گرامی نائب صدر اور اختر انصاری اکبرآبادی جنرل سیکرٹری تھے۔ ہم نے اس زمانے میں سندھی اور اُردو کے ادیبوں اور شاعروں کو بھی یکجا کرنے کی کوشش کی اور ہم لوگوں ہی کی کوششوں سے سندھی اردو کے درجنوں مشترکہ شاعروں کا انعقاد عمل میں آیا جس میں دونوں زبانوں کے شاعر شریک ہوتے تھے۔ ہم لوگوں کے کہنے سے ڈاکٹر عبدالحق نے بھی سندھ کا دورہ کیا اور اپنے قیام کے دوران انگریزی کے حامیوں کے اس پروپیگنڈے کی نفی کی کہ اردو کا سندھی سے کوئی تنازعہ ہے۔ بابائے اردو کے اس دورے سے اُردو اور سندھی کو ایک دوسرے کے قریب آنے کا اور زیادہ موقع ملا۔ ہم نے اس زمانے میں حیدرآباد سندھ میں ایک کل سندھ ادبی اجتماع بھی منعقد کیا جس کا افتتاح سندھی کے مشہور شاعر مخدوم طالب المولیٰ نے کیا۔ اور اس میں ہمارے نوجوان دوست مظہر جمیل نے سندھی ادب کی ترقی پر ایک سیر حاصل مقالہ پیش کیا۔ یہ اجتماع بھی سندھی اور اردو کے شعراء اور ادباء کا ایک مشترکہ اجتماع تھا اسی زمانے میں حیدرآباد پورے صوبہ کی علمی اور ادبی سرگرمیوں کا مرکز بنا۔ اور بنگال کے مشہور شاعر کوی غلام مصطفےٰ اور پشتو کے مشہور شاعر امیر حمزہ شنواری جب حیدرآباد آئے تو میرے ہاں ہی ان دونوں عظیم دانشوروں نے قیام کیا اور کوی غلام مصطفےٰ

سے تو خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مرحوم نے قومی ترانے کا بنگالی زبان میں ترجمہ بھی کیا تھا اور میری بڑی لڑکی نجمہ جب یہ بنگالی قومی ترانہ گاتی تھی تو کوثر غلام مصطفیٰ بہت خوش ہوتے تھے۔

حیدرآباد کے بعد میرے ادبی سفر کی تیسری منزل خیرپور میرس تھی جہاں میں نے اپنی زندگی کے تقریباً ۵ سال گذارے۔ پورے پاکستان میں خیرپور میرس وہ واحد جگہ ہے جہاں زبان کی نوک پلک کا اتنا ہی اہتمام کیا جاتا ہے جتنا کہ اہلِ لکھنؤ کرتے تھے۔ اور بھرے شاعروں میں شعراء کو دولخت مصرعے دہرانے اور غلط الفاظ استعمال کرنے پر ٹوک دیا جاتا تھا مجھے اپنے خیرپور کے قیام کے دوران یہ بھی محسوس ہوا کہ بالائی سندھ کے لوگوں میں محبت اور خلوص نسبتاً زیادہ ہے۔ چنانچہ میں نے یہاں مستقل قیام کا بھی فیصلہ کیا۔ اس کی وجہ یاسین قریشی، تنظیم الفقرا، زخم بدایونی، منظر اکبرآبادی، نیر ترمذی، ڈاکٹر نقوی اور علی اسلم جعفری وغیرہ کی دوستی بھی تھی۔ جسے اب بہ مجبوری ترک کرنا پڑا۔ میرا خیرپور کا قیام میری ادبی زندگی میں اس لئے بھی اہم ہے کہ مجھے یہاں کے قیام کے دوران سکھر، شکارپور، لاڑکانہ اور جیکب آباد کی ادبی محفلوں میں شریک ہونے اور پورے علاقے کے اردو سندھی ادیبوں اور شاعروں سے رابطہ قائم کرنے کا موقع ملا۔ اور یہیں کے دوران قیام میں میری مصطفیٰ زیدی سے بھی دوستی ہوئی جو میرے نزدیک ہمارے دور کا سب سے اچھا شاعر تھا۔ اور اس کا یہ شعر تو مجھے برابر یاد رہے گا جو اس نے میرے ایک مشاعرے میں عدم شرکت پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے لکھا تھا۔ شعر یہ ہے۔

ترے رندوں کے مقدر میں ترا جام نہیں
معذرت ہے مری اے پیرِ مغاں آج کی رات

خیرپور کے بعد مجھے سکھر اور لاڑکانہ کا ادبی ماحول بہت پسند تھا۔ سکھر میں مجھے آفاق صدیقی، مسعود بریلوی، جمیل جبل پوری، مسلم شمیم، حسن حمیدی، ن۔ م۔ نیازی، عبدالرزاق راز، مہرالٰہی شمسی اور جانشین شاد حمید عظیم آبادی اور استاد رحمت بریلوی سے ملاقات کا موقع ملا اور اسی طرح لاڑکانہ میں ہمیں مسعود فاروقی، ع۔ ر۔ بدایونی، عرشی کرت پوری، جمال

الدین بخاری اور شرکت عابدی سے ملاقاتوں کا موقع ملا اور یہیں محمد علی خان سے بھی دوستی ہوئی جو آج بھی قائم ہے۔ جیکب آباد اس لئے مجھے عزیز ہے کہ یہاں ہمارے پرانے دوست عبدالکریم گدائی اور غالب لطیف رہتے ہیں۔ گدائی تو اب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ مگر غالب لطیف سرکاری ذمہ داریاں ترک کرنے کے بعد اب اپنے پرانے پیشے کو رونق بخش رہے ہیں اور یہیں ہمارے ایک اور دوست شفیع علی خان بھی رہتے ہیں۔ اسی علاقے کے ایک اور شاعر فیض بخشا پوری بھی ہمارے رفیق ہیں اور یہیں کی دوستی کی ایک اور یادگار ڈاکٹر عباس ہیں جن سے گذشتہ دنوں تجدید ملاقات ہو چکی ہے۔

شکارپور کے شہر سے ہماری سب سے پہلے شناسائی ڈاکٹر عارف شاہ جیلانی کے ذریعہ ہوئی تھی۔ اور ان ہی کی وجہ سے پروفیسر زیدی اور پروفیسر آفتاب سے بھی ملاقات ہوئی۔ شکارپور کے متعدد شاعر بھی ہمیں یاد ہیں اور یہ شہر جو ایک ضلعی ہیڈکوارٹر کا بھی درجہ رکھتا ہے مجھے اس لئے بھی عزیز ہے کہ یہاں میرے دو عزیز اور مخلص دوست رہتے تھے۔ ایک مخلص دوست ابراہیم شیخ تو سابق دورِ حکومت کے مظالم کے باعث اللہ کو پیارے ہو گئے اور دوسرے سیٹھ فیض محمد ماشاءاللہ سے بقیدِ حیات ہیں۔ اور ہم سے نامہ و پیام کا سلسلہ بحال اور برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

خیرپور میرس کے بعد میرے ادبی سفر کی چوتھی منزل بہاولپور تھی جہاں عمرِ عزیز کے تین قیمتی اور خوشگوار ترین سال بسر ہوئے۔ بہاولپور کا ادبی ماحول بھی بڑا صاف ستھرا ہے اور یہاں کے شعرا جن میں، شباب دہلوی، امجد قریشی، تابش الوری، عبدالحمید ارشد، حیات میرٹھی، مجید تمنا، آل احمد اور ظہور نظر قابلِ ذکر ہیں۔ اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہاں کے احباب میں ایک اور نام نورالزماں اوج کا بھی آتا ہے جن سے بہاولپور میں ہی نہیں، سکھر اور حیدرآباد میں بھی شناسائی رہی ہے۔ بہاولپور میں قیام کے دوران مجھے اکثر رحیم یار خان اور بہاولنگر کے ادبی اجتماعات میں بھی شرکت کا موقع ملا۔ اور کچھ عرصے کے لئے مجھے بہاولپور اردو اکادمی کی رکنیت کا بھی سزاوار ٹھہرایا گیا۔ جس نے بعد میں میری تصنیف سیدالاحرار کو نمایاں طور پر شائع کیا۔ یہیں ہم نے اپنے

ایک قریبی دوست ایس۔ ایم۔ زیدی کے تعاون سے بھاول گڑھ پیلس کی مہتابی میں ایک مہتابی مشاعرہ کا اہتمام کیا جس میں سفید مرمریں چاندنی پر سفید ملبوس زیب تن کئے ہوئے شعرائے شب ماہ میں اپنا کلام پیش کیا۔ اور پھر سفید برتنوں میں بعد مشاعرہ ماحضر تناول کیا۔ اب بھی کبھی کبھی اس جشن سیمیں کی یاد آکر دل کو تڑپا جاتی ہے۔

بہاولپور کے بعد میرے شعری سفر کی پانچویں منزل ملتان ہے۔ جہاں میرا قیام مشکل سے ایک سال رہا۔ لیکن اس دوران میں ملتان کے شعراء نے میری جو قدر افزائی کی اس کو زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتا۔ اس شہر میں سب سے پہلے میرے ساتھ ایک شام منائی گئی، جس میں پڑھے جانے والے مضامین اور نظموں کو کتابی شکل میں شائع کیا جا چکا ہے۔ اور مجھے اپنے قیام ملتان کے دوران مظفر گڑھ، ساہیوال اور ڈیرہ غازی خان کے ادبی جلسے بھی دیکھنے کو ملے۔ لیکن اس قیام کے زمانہ میں مجھے دو بار کبیر والا جانے کا بھی موقع ملا ایک بار تو ایک مشاعرہ کی صدارت کے سلسلے میں جس میں ملتان کے علاوہ مظفر گڑھ کے شعراء اور جھنگ سے جناب جعفر طاہر اور ریاض انور بھی شریک تھے اور دوسری مرتبہ وہاں کے ادبی حلقوں نے میرے ساتھ ایک شام منائی، جس میں پڑھا جانے والا وہ مضمون مجھے خاص طور پر بے حد پسند آیا جس میں میرے ہی اشعار کے ذریعے میرے حالات زندگی کی نشان دہی کی گئی تھی۔ افسوس کہ میرے ملتان کا قیام بڑا مختصر رہا لیکن اس زمانے میں عاصی کرنالی۔ ارشد ملتانی، حسین سحر، اقبال ارشد اور دوسرے احباب سے جو روابط استوار ہوئے۔ وہ آج بھی قائم ہیں۔

ملتان کے بعد میرے شعری سفر کی چھٹی منزل سرگودھا تھی جہاں میں ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران مقیم تھا۔ یہاں میری ملاقات ڈاکٹر وزیر آغا، الطاف مشہدی، اختر سرحدی، حافظ لدھیانوی اور دوسرے احباب سے ہوئی۔ الطاف مشہدی تو اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ مگر باقی ماندہ احباب ابھی زندہ ہیں۔ اور ان کی یاد میرے لئے ایک عزیز سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہیں قیام کے دوران مجھے ڈاکٹر سید عبداللہ سے ملاقات اور سید قاسم رضوی سے تجدید ملاقات کا بھی موقع ملا۔ اور اسی دوران ہی مجھے فیصل

آباد اور جھنگ کے مشاعروں میں بھی شرکت کا موقع ملا۔ فیصل آباد سے خلیق قریشی مرحوم اور راختر سدیدی اور جھنگ کے۔ شیر افضل جعفری سے اسی زمانہ میں تعارف کا سلسلہ قائم ہوا۔ فیصل آباد تو ایک بڑا شہر ہے اور اس زمانے میں یہ شہر میرے عزیز ترین دوست عبدالحفیظ کے قیام کی وجہ سے بھی مجھے بڑا عزیز تھا مگر جھنگ کے پانی میں شاید کچھ ایسا اثر ہے کہ وہاں کی یاد اب بھی کبھی کبھی میرے دل کو ستاتی ہے۔ اور وہاں کی صحبتوں کی یاد دلاتی ہے۔ اور اسی طرح جوہر آباد میں ڈاکٹر صفدر سے ملاقات کی یاد کا تو مجھے بہت دکھ پہنچتا ہے کہ اس کے بعد پھر ان سے دوبارہ ملاقات کی حسرت ہی رہی

سرگودھا کے بعد میری ساتویں منزل کوئٹہ تھی جہاں میرا قیام مختصر ہونے کے باوجود بڑا پر لطف تھا۔ مجھے برسوں کے بعد وہاں عبدالصمد درانی سے تجدید ملاقات کا موقع ملا۔ یہیں اثر جلیلی سے ملاقات ہوئی اور یہیں پر برسوں کے بعد یونس واسطی سے ملاقات کا موقع ملا۔ عطا شاد بھی یہیں ملے جو اس وقت تو میرے ماتحت تھے مگر جن سے ملاقات کا سلسلہ اس کے بعد بھی جاری رہا۔ ملک محمد رمضان سے بھی کوئٹہ کے قیام کے دوران ملاقاتیں رہیں۔ مگر اس سے قبل بھٹ شاہ میں بھی ان سے ملاقات ہو چکی تھی، یہیں بابر شاہین سے بھی ملاقات ہوئی جو اس سے قبل بہاولپور اور جھنگ میں بھی میرے یار غار رہ چکے تھے اور اب آج کل شاید پنڈی میں مقیم ہیں۔

اور اب تھک ہار کر پھر مجھے کراچی کی فضا میں زندگی گذارنے کا موقع مل رہا ہے۔ حالانکہ یہاں سے قیام کے دوران مجھ پر بھٹو دورِ حکومت میں مظالم کا وہ سلسلہ دراز ہوا جو ۵ ۶ برس تک جاری رہا اور جس کے دوران مجھے قید و بند سے بھی واسطہ پڑا اور جھوٹے مقدموں کا تو میرے خلاف ایسا طومار باندھا گیا کہ ان سے اکتوبر ۱۹۷۷ء میں فراغت ہوئی۔ یہی زمانہ میری مسلسل بے روزگاری اور جبری خاموشی کا بھی تھا جس سے مجھے ۵ رجولائی ۱۹۷۷ء کے بعد ہی نجات مل سکی اور سندھ اسپیشل ٹربیونل کی ماہانہ حاضری سے بھی اسی وقت گلوخلاصی ہوئی جس کا سلسلہ ۱۹۷۵ء سے چل رہا تھا۔

میں نے اوائل عمر ہی سے شعر کہنے شروع کر دیئے تھے۔ اور اس کے لئے مجھے کسی خارجی عناصر کی تحریک کی ضرورت نہیں پڑی کیوں کہ میں نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ خود شعر و شاعری کے لئے ساز گار تھا۔ میرے دادا سید احمد حسین اور میرے منجھلے تایا سید مختار حسین مختار اٹاوی بھی شاعر تھے۔ مجھے اپنے منجھلے تایا کا تو اس وقت کوئی شعر یاد نہیں۔ مگر دادا مرحوم نے ایک دفعہ میرے پر نانا قاضی احمد حسین کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جب انہوں نے ایک نہایت عالی شان ضیافت کا اہتمام کیا تو اس کے بارے میں یہ شعر کہا گیا۔

غرضکہ کھانا بھی کھایا شراب بھی پی لی
عجیب کام کیا واہ واہ قاضی جی

البتہ میرے منجھلے تایا نے ایک بار میری قوت شعری کا ضرور امتحان لیا تھا۔ اور یہ اس زمانے کی بات ہے جب میں کانپور کا قیام ترک کر کے اپنی اہلیہ کی علالت کے سلسلہ میں عارضی طور پر اٹاوہ میں مقیم تھا، اور اٹاوہ تحصیل میں سیاہ نویسی کر رہا تھا انہوں نے اس زمانے میں مجھے اور انور اٹاوی کو جو ان کے داماد بھی تھے ایک مصرع طرح دیا تھا۔ اور مجھے اس طرح پر کہی ہوئی غزل کا یہ مقطع اب تک یاد ہے۔

میں سُن کر بات ناصح کی جھکا لیتا ہوں سر اظہرؔ
مگر ترک محبت کی قسم کھائی نہیں جاتی

لیکن اب یہ مجھے یاد نہیں کہ میرے بہنوئی نے اس زمین میں کیا شعر نکالے تھے، لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ میں اس شعری امتحان میں کامیاب و کامران گردانا گیا تھا۔ میں اس سلسلہ میں اپنے پھوپھا نواب نثار یار جنگ کا بھی ذکر کروں گا جن سے گو میں نے اکتساب فیض نہیں کیا مگر وہ بہت اچھے شاعر ضرور تھے۔

میری ددھیال کی طرح میری ننھیال میں بھی شاعری کا بڑا چرچا تھا بلکہ سچ پوچھئے تو میرے ادبی سفر پر میرے ننھیال ہی کی چھاپ زیادہ ہے۔ اس لئے کہ ابتدائے زندگانی کے ایام نانا مرحوم ہی کی ہمراہی میں بسر ہوئے اور خود میرے

کردار پر بھی ان کے اثرات بڑے جواب تک باقی ہیں۔ نانا مرحوم نے جنہیں ملک کے علمی اور مذہبی حلقوں میں مولانا فیض الحسن گنگوہی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جو اپنے حقیقی پھوپھا حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری کے مجاز طریقت بھی تھے۔ مجھے اوائل زندگی میں اپنی پاکیزگی اور علمیت سے بے اندازہ متاثر کیا۔ وہ عالم دین تھے، روحانی بزرگ بھی اور شاعر کامل بھی۔ ابوداؤد شریف کے حاشیہ کے افتتاحیہ میں جو ان کے والد ماجد حضرت فخر العلماء مولانا فخر الحسن محدث گنگوہی نے ترتیب دیا تھا۔ ان کا کئی سو عربی اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ شامل ہے جو انہوں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی شان میں لکھا تھا۔ اسی طرح حسامی کے حاشیہ میں جو انہوں نے لکھا اور جسے چند سال قبل مطبع نور محمد آرام باغ کراچی نے بھی شائع کیا ہے، ان کی وہ عربی نظم شامل ہے جو انہوں نے اپنے عظیم والد کی رحلت پر لکھی تھی۔ خود نانا مرحوم کے والد حضرت فخر العلماء کو بھی شعر و شاعری سے بڑی دلچسپی تھی اور شرح تلخیص مفتاح کے شروع میں انہوں نے غالب کا ایک مشہور شعر تحریر کیا جو درج ذیل ہے ؎

مانگا کریں گے ہم بھی دعا ہجر یار کی
آخر کو دشمنی ہے دعا کو اثر کے ساتھ

اور ان کی اسی خوبی کا ذکر قصائد قاسمی کے ابتدائیہ میں بھی موجود ہے۔ حضرت مولانا فیض الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اردو میں بھی شعر کہے مگر کم اور میں نے ان کی وہ تعریفی نظم دیکھی ہے جو انہوں نے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے بارے میں لکھی تھی۔ لیکن نانا مرحوم سے زیادہ میرے مزاج شعری پر نانا مرحوم کے چھوٹے بھائی حضرت فوق کانپوری اور میرے حقیقی ماموں جناب دور ہاشمی کا بڑا اثر ہے۔

حضرت فوق کانپوری حضرت جگر مراد آبادی کے اولین شاگرد ہی نہیں ایک طرح سے وہ جگر صاحب کو اپنا مرشد روحانی بھی سمجھتے تھے اور وہی دراصل حضرت دور ہاشمی کو جناب جگر کی خدمت میں بطور ایک عقیدت مند اور شاگرد کے لے گئے اور اس طرح استاد شاگرد کا وہ لازوال تعلق قائم ہوا جس کی شاگردان جگر میں نظیر نہیں ملتی اور اس کا ثبوت

یہ ہے کہ جب اپنے دور کی ایک حسین اور بااثر خاتون اختر حیدرآبادی حضرت دور کے عشق میں مبتلا ہوئیں اور ان کی شعر و شاعری کی بیساکھی پر چڑھ شاعرہ اور ادیبہ بنیں جس کا میں خود بھی عینی شاہد ہوں تو حضرت جگر مراد آبادی اس پر بڑے چراغ پا ہوئے۔ یہاں تک کہ اختر حیدر آبادی اور جگر مراد آبادی کے درمیان اس درجہ تلخ کلامی ہوئی کہ تھانہ میں رپورٹ درج ہوئی اور باقاعدہ مقدمہ قائم ہوا جو بعد میں لوگوں کے درمیان میں پڑنے کی بنا پر ختم کیا گیا لیکن تنہا یہی واقعہ حضرت جگر کی اپنے عزیز ترین شاگرد سے تعلق کی نشاندہی کے لئے کافی ہے۔

لیکن افسوس کہ حضرت جگر مراد آبادی کی مخالفت اور میری اور اختر حیدر آبادی کی مڈ بھیڑ بھی حسن و عشق کی اس داستان کے اختتام کا باعث نہ بن سکی اور اردو زبان کا ایک ابھرتا ہوا شاعر اس ہنگامہ تلب و نظر کا ایسا شکار ہوا کہ اس کی اپنی علمی اور فنی جلوہ نوازیاں اختر حیدر آبادی کے طلسم ہوشربا میں گم ہو گئیں میں نے اختر حیدر آبادی کو سیدہ کے خطاب سے نوازنے کی اس لئے کوشش نہیں کی میں اس خطاب کے آغاز کی داستان سے بھی واقف ہوں اور مجھے اپنے ایک دوست سگرٹ اٹاوی کا یہ شعر بھی بار بار یاد آرہا ہے جو انہوں نے ان دونوں عاشق و معشوق کی موجودگی میں کرنیل گنج کانپور کے ایک مشاعرے میں پڑھا تھا۔ شعر یہ ہے۔

اپنی طرف کو دیکھ کے پھر بھینیا کو دیکھ
قدرت نے تیرا مدمقابل بنا دیا

ایک ایسے شخص کے لئے جو والد اور والدہ دونوں کی طرف سے شعری مذاق ورثے میں پائے، شعری میدان میں سبقت حاصل کرنا کچھ مشکل بھی نہیں تھا۔ میرے والد ماجد سید ذوالفقار حسین گو براہ راست شعر نہیں کہتے تھے مگر شعر و شاعری میں دلچسپی رکھتے تھے اور میری والدہ ماجدہ آمنہ خاتون کے تو متعدد مضامین طنز نگاری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ بہر حال جب میں نے شعر کہنا شروع کیا۔ تو سب پہلے اپنا کلام اصلاح کی غرض سے جناب دور ہاشمی کے سامنے پیش کیا مگر چونکہ حضرت دور بھی اصلاح

کے معاملے میں حضرت عبدالباری آسی کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔ اور شاگردوں کی غزل کاٹ کر خود اپنی طرف سے انہیں غزل عطا کر دیتے تھے۔ اس لیے میں نے اس طریقِ اصلاح سے اختلاف کرتے ہوئے اپنا کلام ان کی بجائے جناب سلیم ناطق کانپوری کو دکھانا شروع کیا جو فارسی میں میرے استاد بھی تھے۔ اور کرائسٹ چرچ ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی تھے۔ یہ وہی عہدہ ہے جس پر نانی مرحومہ کے دادا اور جنگِ آزادی کے ہیرو قاضی محمد اسماعیل اور ان کے بعد ان کے منجھلے صاحبزادے قاضی تفضل حسین فائز رہ چکے تھے۔

جناب سلیم ناطق، حضرت ناطق لکھنوی کے شاگرد رشید تھے اور ان کی قائم کردہ انجمن جامعہ ادبیہ کے جنرل سیکرٹری تھے۔ مجھے ان کی شاگردی پر فخر ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے ہی مجھے نکاتِ شعری اور فنِ عروض سے آگاہ کیا۔ اور مجھے یاد ہے کہ میں جب ایک بار ان کے ہمراہ لکھنؤ گیا تو انہوں نے ہی مجھے وہاں مولانا نجم الغنی رام پوری کی فنِ عروض پر معرکتہ الآرا کتاب "بحر الفصاحت" خرید وائی اور مشورہ دیا کہ میں برابر اسے اپنے مطالعہ میں رکھوں اور استاد شاگرد کے تعلقات کا یہ سلسلہ تقریباً حصولِ آزادی کے وقت تک چلا۔ اس کے بعد میں پاکستان آ گیا اور پھر استادِ مکرم سے ملاقات نہ ہو سکی۔ البتہ مجھے ان کا ایک شعر یاد ہے جو نذرِ قارئین ہے۔

محبت کی سلیم ان آخری سانسوں کے پردے میں
مجھے تو زندگی ہی زندگی معلوم ہوتی ہے

اور حضرت سلیم ناطق ہی کے ذریعے سے شاکر ناطق نے بھی میری ایک غزل پر اصلاح دی جس کا اعتراف بہت ضروری ہے۔ اس غزل کا مقطع یہ ہے ؎

عیاں ہے اس پہ سب اظہر کا ظاہر و باطن
کہ دل سے دل ہے نظر سے نظر ملائے ہوئے

حضرت دور ہاشمی، جناب سلیم ناطق اور جناب شاکر ناطق کے علاوہ میں نے جناب جگر مراد آبادی، حضرت ناطق لکھنوی اور مولانا حسرت موہانی سے بھی استفادۂ سخن کیا اور کراچی آ کر ایک غزل علامہ سیماب اکبر آبادی کی خدمت میں بھی بغرضِ اصلاح پیش کی۔

جناب جگر مراد آبادی کو میں نوعمری کے زمانے ہی سے جانتا تھا اور ایک آدھ مرتبہ انہوں نے بذاتِ خود تعلیم و تعلم کے بارے میں بھی مجھے بہت سے قیمتی مشورے دیئے تھے۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ جناب جگر مراد آبادی زبانی اصلاح کے مقابلے میں ذہنی اصلاح کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ لیکن یہ صرف اہمیت ہی کی بات ہے۔ انہوں نے حضرت فوق کانپوری اور حضرت دور ہاشمی کے معاملے میں تو اتنی سختی برتی تھی کہ ان دونوں شاگردوں کو سدتوں یہ ہدایت کی جاتی رہی کہ تم لوگ روزانہ دو غزلیں لکھا کرو۔ یہ دونوں شاگرد جب دو، دو غزلیں لکھ کر اپنے استاد کی خدمت میں پیش کرتے تھے تو ان کو ضائع کر دیا جاتا تھا۔ اور اس کا سلسلہ دنوں اور ہفتوں نہیں مہینوں چلا۔ اس زمانے میں حضرت جگر جناب دور ہاشمی کے ایک مکان میں جسے عرف عام میں گول کرہ کہا جاتا تھا۔ اور جو اناوہ بازار کانپور میں واقع تھا رہا کرتے تھے۔ لیکن مجھے حضرت جگر مراد آبادی سے ذہنی اصلاح کا بھی موقع ملا اور میری ایک دو غزلوں میں انہوں نے بعض بعض مصرعوں میں تھوڑی ترمیم بھی کی۔

لیکن جناب ناطق لکھنوی کے ساتھ صرف استاد شاگردی ہی کا تعلق نہیں رہا بلکہ میں نے بی۔اے کے کورس میں شامل غالب کی غزلیں بھی ان سے پڑھیں۔ واقعی حضرت ناطق ایک مخزنِ معلومات اور علم کا ایک کوہ گراں تھے۔ میری خواہش تھی کہ امتحان کے بعد اُن سے غالب کا دیوان پڑھوں اور حضرت ناطق اس سلسلے میں جو کچھ فرمائیں اسے لکھ کر اُن کے نام سے شرح کلام غالب کی اشاعت کا اہتمام کروں۔ لیکن افسوس کہ یہ آرزو پوری نہیں ہو سکی۔ حضرت ناطق بھی مجھے بہت عزیز رکھتے تھے اور مجھے ان سے لکھنؤ کے مکان واقع کچے احاطے عقب امیر الدولہ اسلامیہ اسکول بھی جانے کا موقع ملا اور کئی بار میں ان سے ملنے کے لئے دلپسند باغ واقع ڈالی گنج لکھنؤ بھی گیا۔

یہ باغ دراصل اختری بائی فیض آبادی کی والدہ کی ملکیت تھا۔ جنہیں عرف عام میں بڑے صاحب کہا جاتا تھا۔ میں نے انہیں اس باغ میں دیکھا بھی ہے اور ان کے ہاتھ کا پکا ہوا لذیذ کھانا بھی کھایا۔ ایک آدھ بار کانپور کے قیام میں علامہ ناطق

لکھنوی نے مجھ سے بڑے صاحب کے نام خط لکھوائے تھے مگر میں اس وقت یہی سمجھتا تھا کہ یہ کوئی واقعی بڑے صاحب ہوں گے۔ یہ بات تو مجھے دل پسند باغ ہی جاکر معلوم ہوئی کہ بڑے صاحب مرد نہیں خاتون ہیں اور ایسی زبان بولتی ہیں کہ اس پر خواہ مخواہ کا رشک پیدا ہوتا ہے۔ علامہ ناطق بعد میں لکھنؤ سے کلکتہ چلے گئے۔ اور میں نے کراچی آکر انہیں ایک خط لکھا جس کا انہوں نے جواب بھی دیا۔ اس کے بعد جب وہاں بھی فسادات کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ وہاں سے چٹاگانگ تشریف لے گئے اور چند ماہ بعد وہیں آسودۂ خاک ہوگئے۔ میں جب ۱۹۶۸ء میں نیپا کی ٹریننگ کے سلسلہ میں وہاں گیا تو میں نے ان کی قبر کی بڑی تلاش کی مگر افسوس کہ میں اس تلاش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ناطق لکھنوی، صفی لکھنوی کے ہم عصر تھے۔ اور اگر ان دونوں میں سے دو قرن کے دونوں کسی علمی اجتماع میں شریک ہوتے تو منتظمین کے لئے صدارت کا مسئلہ حل کرنا بڑا مشکل ہو جاتا تھا لیکن یہ دونوں ایسی خلش سے بے پرواہ تھے۔ کانپور میں جب ایک بار احاطۂ کمال خاں میں جناب ناطق کے زیر اہتمام ایک مشاعرہ منعقد ہوا اور اس میں علامہ صفی نے بھی شرکت کی، تو اس کا مطلع حضرت ناطق ہی کی نذر تھا۔ مطلع یہ ہے ؎

منکروں نے جان لے لی اب جان ہی کہاں ہے

باقی جو اک رمق ہے وہ نذر دوستاں ہے

جناب ناطق اس تحریک میں بھی شامل تھے جس میں لکھنوی شاعری کو زنان بازاری کے عشق سے پاک کیا گیا تھا اور جس میں گھریلو عشق کی بنیاد رکھی گئی۔ اور اس زمانے میں انہوں نے اپنے رسالے معیار کے ذریعہ اردو میں تنقید نگاری کا بھی آغاز کیا تھا۔ جناب عزیز لکھنوی ان کے شاگرد نہیں تھے۔ لیکن اکثر مشاعروں میں انہوں نے حضرت ناطق کے اشعار کو اپنے کلام میں شامل کر کے ان کی استادی کو تسلیم کیا۔ علامہ ناطق نے لکھنؤ، کانپور، اجمیر، امرتسر، کلکتہ اور چٹاگانگ کے مزاج شعری کو بھی بہت زیادہ متاثر کیا ہے اور ان کے کلام میں بعض بعض اشعار ایسے ہیں جو زبان زد عوام ہیں۔ مثلاً ؎

کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

یا

اے شمع تجھ پہ رات یہ بھاری ہے جس طرح
ہم نے تمام عمر گذاری ہے اس طرح

ان کا دیوان دیوانِ ناطق کے عنوان سے شائع ہوگیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے مسدس کے ۷۵ بندوں میں اردو کی تاریخ بھی نظم کی ہے، جو دیوانِ ناطق سے پہلے شائع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے بہت کچھ کہا اور لکھا جو دست بردِ زمانہ کی نذر ہوگیا۔ لیکن تاریخ نظم اردو کا یہ شعر اپنی مثال آپ ہی رہے گا ؂

اک مورخ کیا کہے کب اور کہاں پیدا ہوئی
ملک میں تاریخ سے پہلے زباں پیدا ہوئی

حضرت ناطق لکھنوی کے بعد جس شاعر نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے، وہ مولانا حسرت موہانی ہیں۔ مجھے مولانا کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور میں شاعری میں ہی نہیں سیاست میں بھی مولانا کا پیرو ہوں، گو اس قابل تو نہیں کہ اُن کے معتقدوں میں اپنے آپ کو شامل کر لوں اس لئے کہ ان کے معتقدین کا درجہ بھی بہت بلند ہے۔ میں نے اُن سے کئی غزلوں پر اصلاح لی۔ اور میرے کلام میں جو غزل مسلسل ملتی ہے وہ بھی ان ہی کے اتباع میں ہے۔ میری ان سے آخری ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ حج سے واپس جاتے ہوئے اپنے نواسے سے ملنے کے لئے کراچی آئے اور کراچی سے براہ لاہور بھارت روانہ ہوگئے۔ میں نے اپنی سب سے آخری غزل انہیں ان کے قیام کراچی ہی کے دوران دکھائی جس پر انہوں نے کوئی اصلاح نہیں دی۔ میں سمجھا کہ شاید وہ عدیم الفرصت ہیں مگر جب میرے ہی کہنے پر وہ امروز کے دفتر تشریف لائے اور ایک تقریب میں جو ادارہ امروز نے ان کے اعزاز میں دی تھی۔ گرینڈ ہوٹل میں میاں افتخار الدین اور جناب فیض احمد فیض سے ملنے تو واپسی میں جب ہم انہیں چھوڑنے کے لئے سٹی اسٹیشن گئے تو مولانا نے میری غزل کا ذکر کیا اور اس کی تعریف فرمائی۔ اس کے بعد مجھے اپنے اوپر اتنا اعتماد پیدا ہوگیا کہ پھر اپنے آپ کو اصلاح

سے مستغنی سمجھنے لگا۔ اس غزل کا مقطع یہ ہے۔ ع

کسی کی بزم میں عرضِ وفا تو کیا معنی

وفا کا نام بھی لینا محال ہے اطہر

مولانا حسرت موہانی کو بھی مجھ سے تعلق خاطر تھا۔ چنانچہ جب ۱۹۴۵ء کے الیکشن میں وہ مختلف پولنگ اسٹیشنوں کا دورہ کرتے ہوئے ٹپکاپور پولنگ اسٹیشن تشریف لائے اور مجھے وہاں بطور ایجنٹ کام کرتے دیکھا تو انہوں نے بڑے اطمینان کا اظہار کیا۔ بات یہ تھی کہ یہ حلقہ حاجی قمرالدین مرحوم کا تھا جن پر بوجوہ مولانا حسرت موہانی زیادہ اعتماد نہیں کرتے تھے۔ مگر میری موجودگی سے ان کی مکمل تسلی ہوگئی اور واقعہ بھی یہ ہے کہ ہمارے پولنگ اسٹیشن پر مولانا کی مخالفت میں صرف گیارہ ووٹ پڑے تھے اور یہ ووٹ بھی اس طرح پڑے تھے کہ کسی کو اس کا پتہ نہیں چل سکا کہ یہ ووٹ ڈالنے والے کون تھے۔ مولانا کے تعلق خاطر کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ جب بی اے کے امتحان میں حاضریوں کی کمی کے باعث مجھے شرکت سے روک دیا گیا اور مجھے خصوصی اجازت کے لئے دہلی جا کر آگرہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے ملنا پڑا تو مولانا نے مجھے ڈاکٹر ضیاءالدین کے نام ایک خصوصی خط دیا جس میں ان سے کہا گیا تھا کہ وہ میرے واسطے ڈاکٹر چیٹرجی سے سفارش کریں اور اس بات کی تو ایک نہیں متعدد مثالیں ہیں کہ وہ میرے کہنے پر سفارش کے لئے خاص طور پر لکھنؤ تشریف لے گئے اور مطلق انکار نہیں کیا۔ جامعہ ادبیہ کے معاملات میں بھی وہ اس ادارہ کے سرکردہ ارکان سے کہنے کی بجائے مجھے ہی ہدایت کیا کرتے تھے اور اس قسم کے ایک واقعہ کے گواہ شکیل احمد ضیاء بھی ہیں۔

وہ دراصل مجھے اپنا ایک خاص پیرو سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ کسی نے ان سے یہ کہہ دیا کہ حصولِ آزادی کے بعد عید الضحیٰ کے موقع پر گائے کی قربانی نہ کرنے کی جو اپیلیں مسلمانوں کی جانب سے جاری ہو رہی ہیں ان میں میرا نام بھی شامل ہے۔ چنانچہ گھنیا بازار میں جب میرا ان سے سامنا پڑا تو صوفی منصور علی حسرتی کی موجودگی میں انہوں نے مجھے حسب عادت ڈانٹنا شروع کر دیا جب میں نے انہیں قسم کھا کر یقین دلایا کہ میں نے گائے کی قربانی ترک کرنے کا کوئی بیان نہیں دیا ہے۔ تو ان کا غصہ دھیما پڑا۔ اس موقع پر کئی سو افراد جمع ہو گئے تھے اور

مولانا بار بار یہ فرماتے تھے کہ میں خود گانے کی قربانی کروں گا اس لئے کہ یہ ایک مذہبی فریضہ ہے اور دیکھیں کہ کون مجھے پکڑتا ہے۔

مولانا حسرت موہانی کی کراچی آمد سے قبل جب علامہ سیماب اکبرآبادی کراچی تشریف لائے تو میں نے اُن کی خدمت میں بھی حاضری دی اور ایک غزل بہ نذر اصلاح ان کی خدمت میں پیش کی۔ غزل کا مقطع یہ ہے۔

پہلے تھی جن کو محبت ہی محبت اظہر
اب انہیں مجھ سے عداوت بھی ہے نفرت ہی نہیں۔

میں نے قارئین کی بڑی سمع خراشی کی ہے مگر یہ داستان پیش کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ میرے مجموعہ کلام کے پڑھنے والوں کو میرے بارے میں صحیح پس منظر سے آگاہی ہو جائے میں نے دانستہ طور پر اپنے کلام کے محاسن کی جانب کوئی اشارہ نہیں کیا۔ اس لئے کہ اس کا فیصلہ مجھے نہیں میرے ناقدین اور قارئین کو کرنا ہے۔ اس سلسلے میں صرف یہ ضرور عرض کروں گا کہ میرے کلام میں داخلی اور خارجی اسباب سے مملو اشعار تلاش کرنے میں کسی قسم کی دقت نہیں ہو گی۔ کیوں کہ میں نے اپنے اشعار میں غمِ جاناں کا بھی ذکر کیا ہے اور غمِ دوراں کے بارے میں بھی تاثرات پیش کئے۔

اس ضمن میں یہ عرض بھی ضروری ہے کہ میرے موجودہ مجموعہ میں وہ کلام شامل نہیں جو نغمہ و شعر کے عنوان سے ۱۹۵۹ء میں شائع ہو چکا ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ میرا موجودہ مجموعۂ کلام میرے شعری سفر کے تمام پہلوؤں کی صحیح طور پر عکاسی کر سکتا ہے اور نغمہ و شعر میں جو کچھ ہے وہ میرے مذاق شعری کو سمجھنے میں کما حقہ مدد نہیں کر سکتا۔

اگر آپ تلاش کرنا چاہیں تو آپ کو میرے کلام میں گذشتہ ۲۵، ۳۰ سالوں کے حالات کی جھلکیاں مل سکتی ہیں۔

اور اب سب سے آخر میں اس کی اشاعت کے محرکات کا ذکر۔ دراصل میں ایک عرصہ سے اپنے کلام کی اشاعت کا متمنی تھا لیکن کوئی ناشر نہیں مل رہا تھا۔ پتہ نہیں کیا بات ہے کہ ہمارے آجکل کے ناشرین زندہ ادیبوں اور شاعروں کی جان کے درپے

ہیں یا پھر انہیں مرحوم ادیبوں، شاعروں، دانشوروں کی تخلیقات کی اشاعت سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ ہم جیسے زندوں کو بھی درخورِ اعتنا سمجھ سکیں۔ ایسے عالم میں جناح لٹریری اکادمی کے مولوی ریاض الدین نے جب میرے کلام کی اشاعت کی ایک بار نہیں کئی بار حامی بھری تو میں اس کی ترتیب و تدوین میں لگ گیا اور کئی ماہ کی عرق ریزی کے بعد اس کام سے فارغ ہوا تو مسودہ ان کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لے گیا۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ آپ ابھی اسے اپنے ہی پاس رکھیں۔ کاتب کا بندوبست ہونے پر آپ سے یہ مسودہ لے لوں گا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے اس وعدہ کو دانستہ یا نادانستہ طور پر بھلا دیا۔ اور روز روز کی ملاقات کے بعد بھی یہ یاد نہ رکھا کہ میں نے ان ہی کے کہنے پر اپنا دیوان ترتیب دیا تھا۔ ریاض صاحب واقعی "دھن کے بڑے پکے" اور مزاج کے بڑے کھرے ہیں اور انہیں اپنے متعلق ہر چھوٹی بڑی بات اچھی طرح یاد بھی رہتی ہے۔ اس لئے میرے دیوان کی اشاعت کے بارے میں خود ہی پہل کرنا اور پھر خود ہی اس جانب سے اغماض برتنے کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے وعدے سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔

ایسے عالم میں درانی ایسوسی ایٹ کے شعبۂ نشر و اشاعت میزان ادب نے دستِ تعاون دراز کیا حالانکہ مسودہ چھپائی کے لئے تیار تھا اور اسے جلد شائع بھی ہو جانا چاہیئے۔ میزان ادب نے اس سلسلے میں نسبتاً زیادہ مستعدی کا بھی مظاہرہ کیا اور اس ادارہ کی مستعدی اور اخلاص کی بنا پر مجھے بھی "وادیٔ گنگ و جمن سے وادیٔ مہران تک" کے بارے میں یہ تمہیدی مضمون لکھنے کو دوسری تمام مصروفیات پر ترجیح دینا پڑی۔ میں میزان ادب کا سپاس گذار ہوں نہ صرف اس لئے کہ اس کی کوششوں سے یہ مجموعہ منظرِ عام پر آ رہا ہے بلکہ اس وجہ سے بھی کہ اسی ادارے کی وجہ ہی سے میں مولوی ریاض الدین احمد کے احسان کی زیر باری سے بھی بچ گیا۔ اور ان کے ساتھ میرا یک طرفہ اخلاص بھی برقرار رہا۔ لیکن انہیں کم از کم اس کا کریڈٹ تو جاتا ہی ہے کہ مجھ جیسے عدیم الفرصت صحافی سے اپنے دیوان کو مرتب کرا ڈالا جو میزان ادب کے تعاون اور کوشش سے طباعت و اشاعت کی منزلوں سے گذر کر شائقین ادب کی نظروں میں آ رہا ہے۔

سید اشتیاق اظہر

کراچی مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۸۰ء

رئیس المتغزلین

مولانا حسرت موہانی کے نام

جن کی خدمت اور پیروی سے

یہ زندگی عبارت ہے۔"

"اشتیاق اظہر"

زیست جب خوگرِ آفات بھی ہو جائے گی
ہم میں اور ان میں ملاقات بھی ہو جائے گی

آنکھوں آنکھوں میں فسانۂ غمِ پنہاں کا کہو
غمِ دوراں کی مدارات بھی ہو جائے گی

آپ اٹھائیں تو ذرا چہرۂ روشن سے نقاب
نغمہ و شعر کی برسات بھی ہو جائے گی

ہم پہ احسانِ مراعات نہ کیجئے کہ ہمیں
عادتِ ترکِ مراعات بھی ہو جائے گی

دل میں تنہا نہیں گنجائشِ عیش و عشرت
دل میں گنجائشِ صدمات بھی ہو جائے گی

بے سبب بزمِ رقیباں میں نہیں جاتے ہیں
اُن سے تجدیدِ ملاقات بھی ہو جائے گی

آپ کے حسن پہ تنہا نہیں آئے گا زوال
سرد یہ شورشِ جذبات بھی ہو جائے گی

قیس و فرہاد کا افسانہ سنائیں گے انہیں
اس طرح شرحِ خیالات بھی ہو جائے گی

اِک نہ اِک دن یہی بدنام محبت میری
حاصلِ فخر و مباہات بھی ہو جائے گی

وقت بدلے گا یقیناً کہ بدلنا ہے اسے
ٹھیک پھر بگڑی ہوئی بات بھی ہو جائے گی

رنج و غم اپنا مقدر ہے اگر آج تو کل!
عیش و آرام کی بہتات بھی ہو جائے گی

خون جذبات کا ہوتا ہے تو ہونے دیجئے
قدر افزائیِ جذبات بھی ہو جائے گی

میری معصوم محبت کو نہ ٹھکرا کہ یہی
رونقِ بزمِ خرابات بھی ہو جائے گی

نذر یہ دل ہے کہ یہ نذر ہے سب سے بہتر
اور یہی عشق کی سوغات بھی ہو جائے گی

آپ ہر دم نہ کریں ترکِ ملاقات کی بات
ایک دن ترکِ ملاقات بھی ہو جائے گی

زندگی سے تو نہیں بڑھ کے ملاقات عزیز
زندگی ہے تو ملاقات بھی ہو جائے گی

آپ ملنے کے لئے شرط لگائیں نہ کوئی
حسبِ توفیق مدارات بھی ہو جائے گی

ہم کو حالات کے چکر سے ملے تو مہلت
آپ سے پرسشِ حالات بھی ہو جائے گی

آپ سے ملنے کی نکلے تو ذرا کوئی سبیل
سلسلہ وار ملاقات بھی ہو جائے گی

تیری چاہت، تری الفت تری یادوں کی بہار
ایک دن نازشِ جذبات بھی ہو جائے گی

ظلم کی رات سے مایوس نہ ہونا اظہر
ختم تو ظلم کی یہ رات بھی ہو جائے گی

اپریل ۱۹۷۹ء
کراچی

ہر شخص کے پاؤں میں زنجیر نظر آئی!

جب کعبۂ جاناں کی تصویر نظر آئی!

کیا خوف ہمیں ہوتا ویرانی محفل کا

تخریب کے پہلو میں تعمیر نظر آئی

افکار و حوادث کا کیا ان سے گلہ کرتے

تعریف بھی جب ان کو تحقیر نظر آئی

یہ ظلم و ستم اُن کا اس روز فنا ہوگا

جس دن مری آہوں میں تاثیر نظر آئی

وہ غیر کی محفل میں سرمست و غزل خواں تھا

اللہ کی قدرت کی تصویر نظر آئی

نیرنگیٔ عالم نے فرصت ہی نہ دی ہمکو

جب آپ سے ملنے کی تدبیر نظر آئی

ہم آپ کی محفل میں ہر حال میں آئے ہیں

ہر چند ہمیں اس میں تحقیر نظر آئی

وہ دل سے بھلا دے گا سب غیظ و غضب اپنا

جس دن اسے اظہر کی تحریر نظر آئی

کراچی ——— مارچ سنہ ۱۹۷۸ء

جو مصیبت ہے ناگہانی ہے
آپ کی یہ بھی مہربانی ہے

قتل کرنے کے جمع ہیں اسباب
ناز و نخوت ہے نوجوانی ہے

حُسن پر اپنے یوں نہ اترائیے
یہ جوانی تو آنی جانی ہے

حرفِ حق آج بھی ہے حرفِ غلط
اب بھی دھوکہ کی حکمرانی ہے

اب بھی باقی ہے شورشِ منصور
کون کہتا ہے عشق فانی ہے

آپ کے ظلم و جور سے ہے نجات
شامِ فرقت بڑی سہانی ہے

شکرِ غم ہو کہ شکوۂ ماحول
جو بھی ہے دل کی ترجمانی ہے

ہم محبت کی بات کرتے ہیں
وہ محبت جو جاودانی ہے

چند روز اور یہ ہجومِ بلا
چند روزہ تری جوانی ہے

کیوں وہ آتا ہے کوچۂ غم میں
جس کو مطلوب زندگانی ہے

ہر گھڑی سامنے ہے دلِ ورسکن
مہربانی سی مہربانی ہے

میں ہراساں نہیں حوادث سے
یہ تو انعامِ زندگانی ہے

ہمکو روکو نہ کوئے جاناں سے
ہم نے بربادیوں کی ٹھانی ہے

آپ شرحِ ستم نہ فرمائیں
یہ کہانی بڑی پرانی ہے

تیرے مکر و فریب کی شہرت
یہ بھی اغیار کی زبانی ہے

کون دیتا ہے جان کس کے لئے
مفت کی ساری لن ترانی ہے

شوق بھی قید۔ آرزو بھی اسیر
پاسبانی سی پاسبانی ہے

کس طرح سے چھپیں گے تیرے ستم
لب پہ ہر دم تری کہانی ہے

نیک بختی پہ اس قدر نخوت
یہ وہ شے ہے جو آنی جانی ہے

آدمی کا خمیر ہے اس سے
عاشقی اس قدر پرانی ہے

زندگی کو نہ پوچھئے اظہر
زندگی دو گھڑی کی رانی ہے

دسمبر ۱۹۷۶ء کراچی

آپ کے ظلم کی کیا بات کریں گے ہم لوگ
بات اگر ہو گی تو بے موت مریں گے ہم لوگ
آپ مقتل میں ذرا دیر ٹھہرنے دیجئے
وعدہ کرتے ہیں کہ خاموش رہینگے ہم لوگ
آج تو قفل زبانوں پہ ہے لیکن اِک دن
آپ کی شان میں کیا کچھ نہ کہینگے ہم لوگ
آپ بھی ایک گھڑی بات ہماری سن لیں
آپ کی بات تو ہر وقت سنیں گے ہم لوگ
رزق اور موت کسی شخص کے قبضہ میں نہیں
زندگی ہے تو ابھی اور جیئں گے ہم لوگ
تا بہ کے گردش افلاک کا شکوہ ہو گا۔
تا بہ کے آپ کا شکوہ نہ کرینگے ہم لوگ
آپ کا ظلم و ستم ہو گا زمانہ پہ عیاں
آپ کی شان میں وہ شعر لکھیں گے ہم لوگ
قابلِ رحم تھی کل تک تو ہماری حالت
آج سے آپ کی حالت پہ ہنسیں گے ہم لوگ
آپ کی بزم ہے مخصوص رقیبوں کیلئے
ایسے ماحول میں کیا عشق کریں گے ہم لوگ
آپ اظہرؔ یہ زمانہ کو سنا دیں جا کر!
راہِ الفت سے کبھی بھی نہ ہٹیں گے ہم لوگ

کراچی

آئینہ آپ کو مقتل میں دکھالوں تو چلوں
آگ خود اپنے گلستاں میں لگا لوں تو چلوں
ایک دو قتل سے کیا رونق محفل ہو گی
آپ کو قاتلِ احباب بنالوں تو چلوں
عین ممکن ہے کہ تقدیر میں تکلیفیں ہوں
خود کو گرویدۂ آلام بنالوں تو چلوں
خون جذبات کا ہوتا ہے تو ہونے دیجے
رونقیں آپ کی محفل کی بڑھالوں تو چلوں
راہِ الفت میں کہاں وہم و وساوس کا گذر
راحت و رنج کا احساس مٹالوں تو چلوں
آج کے دور میں اک شخص تو اپنا ہو جائے
آپ کو مونس و غم خوار بنالوں تو چلوں
آپ مقتل میں ذرا دیر تو سستا لیجے
رنج و افسوس سے دل اپنا لگالوں تو چلوں
غیر کیوں حشر کا شرمندۂ احسان رہے
کوچۂ یار میں خود حشر اٹھالوں تو چلوں
آپ کی ذات سے اُمیدِ مُسرّت کیسی ؟
میں بھی چلتا ہوں ذرا خود کو سنبھالوں تو چلوں
آپ کے ظلم کا اظہرؔ کو نہیں غم لیکن
آپ کو شکوہ احباب سنالوں تو چلوں

(جنوری ۱۹۷۷ء کراچی)

محبّت کے علاوہ کچھ نہیں میری کہانی میں
اب اس کے بعد تم کیا چاہتے ہو زندگانی میں

بڑھاپے میں کہاں ترکِ طلب کے حوصلے رہتے
چلو اچھا ہے یہ سیلِ حوادث بھی جوانی میں

غنیمت ہے خلوصِ آرزو کام آگیا ورنہ
انہیں ہم یاد رہتے اس ہجومِ کامرانی میں

محبّت سے ہمیں دار و رسن سے ہم کو ہے نسبت
کمی کوئی نہ کیجئے آپ اپنی مہربانی میں

بڑا احسان ہے اس آپ کے طرزِ تغافل کا
بھُلا بیٹھے تھے ہم خود کو فریبِ شادمانی میں

محبّت تو ازل سے تا ابد مقدورِ انساں ہے
[illegible] و غم رفیق عارضی ہیں زندگانی میں

دیارِ حُسن کو ہم اہلِ دل منزل سمجھ بیٹھے
قیامت کا اثر تھا اس خلوصِ ناگہانی میں

یہ گردابِ بلا، برقِ ستم، موجِ الم کیلئے
کٹی ہے عمر ساری التفاتِ آسمانی میں

ہمیں ہر حال میں ہے جراتِ عرضِ وفا اظہر
کہ ہم شامل رہے ہیں حلقۂ حسرت موہانی میں

(کراچی)

برق کی زد پہ ہے آگ کا دریا دیکھا
جان پر کھیل کر ہم نے ترا جلوا دیکھا

آپ کو غیر کے آغوش میں تنہا دیکھا
آپ کو دیکھنے آئے تھے مگر کیا دیکھا

آپ کا لطف و کرم بھی ہے ستم کی مانند
آپ کے پیار کا انداز نرالا دیکھا

عظمت اہل وفا دار پہ جا کر دیکھو
مسکرانے لگے جب موت کو آتا دیکھا

لاکھ وہ حسن کی تصویر میں بھرتے ہیں رنگ
ہم نے تصویر کا ہر رنگ بدلتا دیکھا

یوں تو قاتل جہاں ہم نے بہت دیکھے ہیں
ہاں مگر ہم نے زمانہ میں نہ تجھ سا دیکھا

وہ جفاؤں پہ خجل تھے بڑے غمگین تھے وہ
رات میں ہم نے کئی بار یہ سپنا دیکھا

سختیٔ قید قفس سے بھی ہراساں نہ ہوئے
حوصلہ آپ نے ارباب وفا کا دیکھا

کوچۂ حسن میں جو بھی ہے وہ گھائل ہے ترا
ہم نے ہر جور و ستم تیرا اچھوتا دیکھا

ہم سے پوچھے گا اگر کوئی تو ہم کہہ دینگے
ہم نے سب کو تری محفل میں تڑپتا دیکھا

اک نہ اک دن اثرِ آہ و فغاں ہونا تھا
ہم نے اس یارِ طرح دار کو روتا دیکھا

آپ کا نام کبھی بھول کے بھی لیں گے نہ ہم
آپ کے دور میں وہ خوں خرابا دیکھا

ہم کو دنیا کی نہیں کوئی بھی لالچ اظہرؔ
ہم نے گھر پھونک کے دنیا کا تماشا دیکھا

(حیدرآباد ستمبر ۱۹۷۲ء)

ہم نے ظالم تیرا ہر طور طریقا دیکھا
تو نے لیکن نہ کبھی وقت کا لکھا دیکھا

رات کا نور ہوئی صبح کا تارا دیکھا
تو نے اے ظلمتِ شب عزم ہمارا دیکھا

لوگ ناکردہ گناہوں کی سزا پاتے ہیں
ہم نے اس بزم کا دستور نرالا دیکھا

قید خانہ میں تیری یاد جو آئی اک شب
ہم نے آغوش میں اک چاند کا ٹکڑا دیکھا

ہم کو گمراہ کئے دیتی ہے اُمیدِ وصال
خواب کیا آج کوئی ہم نے سہانا دیکھا

قید تنہائی بھی منظور، اسیری بھی قبول
تو نے ہم سا بھی کوئی چاہنے والا دیکھا

لوگ کیوں تذکرہ دار و رسن کرتے ہیں
ہم نے اس سے بھی بڑا عشق کا رتبہ دیکھا

بزمِ احباب پہ اک تازہ مصیبت آئی
ہم نے جب بھی تجھے اے شاہدِ رعنا دیکھا

قید خانہ میں بھی مسرور ہیں باہر بھی ہیں شاد
تو نے جس حال میں دیکھا ہمیں ہنستا دیکھا

راس آئے گا نہ اظہر کبھی یہ تاج یہ تخت
مرتے دم ہم نے ہر اک شخص کو تنہا دیکھا

مزنگ تھانے کی حوالات اگست سنہ ۱۹۷۴

ظلمتِ شب جلوۂ آلام دکھلاتی رہی
پھر بھی دل میں ہے مرے نورِ سحر کی تازگی

کوچۂ جاناں میں تھا اک کھیل مرگِ عشق بھی
ہاں مگر تکمیل شرحِ آرزو تو ہو گئی

سختیٔ قیدِ قفس تو ختم ہم پر ہو چکی
اب تباؤ ظلمتِ شب اور کیا دکھلائے گی

اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا ترا لطف و کرم
یہ اذیت قیدِ تنہائی کی بھی جاتی رہی

عمر بھر تڑپا کئے قیدِ قفس میں اہلِ دل
ان کی محفل میں خلوصِ دل کی شنوائی نہ تھی

کوچۂ عشاق کا دستور ہے سب سے الگ
جتنی رسوائی ہوئی اتنی پذیرائی ہوئی

تا بہ کے باقی رہے گا آپ کا جور و ستم
رنگ دکھلائے گی اک دن اہلِ دل کی آہ بھی

یہ خزاں، اربابِ گلشن کا مقدر تو نہیں
ختم تو ہوگی کبھی ماحول کی آشفتگی

موجِ طوفاں کے سبب سے کشتیٔ دل کا دتا
خطرۂ گرداب سے ہے آب و تابِ زندگی

ہر گلی کوچے میں تھا میرے جنوں کا تذکرہ
کوچۂ محبوب تک محدود رسوائی نہ تھی

ان کی یادوں سے سجاؤ محفلِ جذبات کو
پھر یہ تنہائی شبِ تاریک کی مٹ جائے گی

اک نگاہِ لطف کے طالب نہیں ہیں صرف ہم
محفلِ ہستی میں ہیں موجود مہر و ماہ بھی

خونِ ناحق رنگ لائے گا یقیناً ایک دن
کامیابی ہے ستم والوں کی اظہرؔ عارضی

حوالاتِ میرپور خاص پولیس اسٹیشن سنہ ۱۹۷۴ء

نفرتیں گو مہر و الفت پر مسلّط ہو گئیں
پھول کی مانند ہے پھر بھی وطن کی سر زمیں
ظلمتیں پچیس ۲۵ برس سے میرے دل میں مکیں
ہاں مگر میری محبت کو بدل سکتی نہیں
جسم میں ہر چند جینے کی رمق باقی نہیں
لیکن امیدِ سحراب بھی ہے دل میں جاگزیں
سختیاں قیدِ قفس کی آگ برساتی رہیں
جادۂ حق سے مگر ہم لوگ ہٹ سکتے نہیں
دن ڈھلا تو رات کی تاریکیاں بڑھنے لگیں
رہروِ غم پھر بھی اپنا راستہ بھولا نہیں
کون ہے جو میرے جرمِ عشق سے واقف نہیں
وہ بھی کہتے ہیں جسے غارت گرِ دنیا و دیں
شیطنت، انسانیت پر آج حاوی ہے تو کیا
کل بدل جائے گا یہ ماحول ہم کو ہے یقیں
یہ تعصب کی فضا یہ افتراق و انتشار
ایسی باتوں سے چمن تاراج ہو سکتا نہیں
اہلِ دل کو لاکھ رکھو مبتلائے قید و بند
سر سے سودائے محبت بھی نکلتا ہے کہیں
قیدِ تنہائی ہے گو ہم رتبۂ دار و رسن
پھر بھی میری زندگی کا چاند گہنایا نہیں
لاکھ ہم برخود غلط ہیں پھر بھی ہیں خود دار ہم
ظالموں کے در پہ جھک سکتی نہیں اپنی جبیں

بدگمانی بڑھ گئی غالب ہوا مکر و فریب
ڈھونڈنے سے بھی محبت کا نشاں ملتا نہیں

دشمنوں کا کیا گلہ شیوہ ہے اُن کا دشمنی
دوستوں کے بھیس میں ملتے ہیں مار آستیں

وادیٔ گنگ و جمن ہر چند رشکِ خُلد ہے
سرزمیں کوئی وطن سے بڑھ کے ہو سکتی نہیں

اِک زمانے سے ہوں اطہر کشتۂ تیغِ ستم
جرمِ الفت پر مگر اب بھی نہیں نادم کہیں

حیدرآباد سینٹرل جیل ستمبر ۱۹۷۲ء

دل کی بربادی پہ ناحق یہ جہاں مغموم ہے
ہم کو اپنی تیرہ بختی کا سبب معلوم ہے

غیر بھی اپنی جگہ مسرور ہم بھی شادماں
کون ہے جو تیرے لطفِ خاص سے محروم ہے

دہر میں تنہا نہیں ہیں ہم اسیرِ رنج و غم
آپ کے جور و ستم کی ہر جگہ پر دھوم ہے

ہم اسیرانِ قفس پہچانتے ہیں اس کو خوب
یوں بظاہر دیکھنے میں وہ بڑا معصوم ہے

تم نے جو وعدہ کیا تھا وہ نہ پورا کر سکے
ہم کو اس وعدہ خلافی کا سبب معلوم ہے

سختیٔ قیدِ قفس یا سختیٔ قیدِ حیات
تیرے اس لطف و کرم کا اور کیا مفہوم ہے

کامیابی پر نہ ہوں مسرور اربابِ نشاط
رنج و غم کیا ہے نشاط و عیش کا مقسوم ہے

عشق کی رسوائیاں بھی تحفۂ اخلاص ہیں
حسن بیچارہ تو اس نعمت سے بھی محروم ہے

خواب میں بھی آپ آتے ہیں تو قاتل کی طرح
آپ کو اتنا خیال خاطرِ مظلوم ہے

سختیٔ قیدِ قفس اظہرؔ رہی اک آدھ دن
کل کے دن جو ہونے والا ہے ہمیں معلوم ہے

حیدرآباد سینٹرل جیل اگست ۱۹۷۴ء

تم نے آزادی کی نعمت کا دیا اچھا صلہ
ہم کو عادی مجرموں کی صف میں شامل کر دیا

بے نتیجہ شورِ غم بے فائدہ آہ و بکا
حالِ دل اپنا در و دیوارِ زنداں کو سنا

قیدِ تنہائی میں رکھا اس کا بے حد شکریہ
اور اب زنداں میں لے آیا بڑا اچھا کیا

جو محبِّ قوم تھا وہ آج کل غدار ہے
اور جو غدارِ وطن تھا وہ بنا ہے سرِ نہا

قید خانے آ گئے ہم قیدِ تنہائی مِلی!!
اب تو بس باقی ہے اِک دار و رسن کا مرحلہ

جرمِ الفت، جوششِ غم، جراتِ عرضِ وفا
نامۂ اعمال میں لکھا تھا جو کچھ ہو چکا

ہم اسیرانِ قفس کا ذکر کرتے تھے بہت
اب قفس کا راز ہم پر آشکارا ہو گیا

قتل کے قابل اگر ہیں ہم تو پھر حاضر ہے سر
ہم نے تیرے ظلم کا افسانہ سب سے کہہ دیا

تم نہ ہوتے تو حوادث سے نہ ہوتی دوستی
تم سے مل کر ہم کو جینے کا قرینہ آ گیا

بہ جور اور ڈاکہ ہیں بہتر بے ضمیر افراد سے
جیل میں آئے تو ظاہر راز یہ ہم پر کھُلا

میرپور خاص جیل اگست ۱۹۷۴ء

کاروبارِ شوق کی تجدید کر سکتے نہیں
ہم ہمیشہ آپ کی تقلید کر سکتے نہیں

جذبۂ اخلاص کی تردید کر سکتے نہیں
یہ الگ ہے تم مری تائید کر سکتے نہیں

ہم کہیں گے جب تو قاتل بھی کہیں گے آپ کو
ہم کبھی تبدیل یہ تمہید کر سکتے نہیں

وقف غیروں کے لئے ہے اُن کے جلووں کی بہار
دید تو بس طالبانِ دید کر سکتے نہیں

میں یہ کہتا ہوں کہ تم ہو بانیٔ جور و جفا
اور تم اس بات کی تردید کر سکتے نہیں

تم کو اس جاہ و حشم پر ناز ہے کس واسطے
تم تو اِک ذرّہ کو بھی خورشید کر سکتے نہیں

تیری خاطر تلخیٔ عالم گوارہ ہے مگر -!!
زندگی بھر ظلم کی تائید کر سکتے نہیں

اتنی مشکل تو نہیں تجدید عہدِ آرزو
آپ آخر کیوں مری تقلید کر سکتے نہیں

دین و ایماں جان و دل اُن پر تصدق ہے مگر
ہم کسی کے قتل کی تائید کر سکتے نہیں

ان کو اظہارِ حق ہے وہ ہم سے ملیں یا مت ملیں
ہم یہ لیکن بے سبب تنقید کر سکتے نہیں

کراچی ۱۹۷۳ء

ہر چند کہ میں تیری شکایت نہیں کرتا
ظالم سے مگر کوئی محبت نہیں کرتا

تجدیدِ ملاقات کی زحمت نہیں کرتا
تو خیر کا ہے تجھ سے شکایت نہیں کرتا

ہے کون جو اس دور میں نفرت نہیں کرتا
صرف ایک غلط کار محبت نہیں کرتا

یوں تو ہے بہت حوصلۂ ترکِ محبت
لیکن تیری چاہت کی مدحت نہیں کرتا

وہ لاکھ خطا کوش و خطا کار ہے لیکن
میں بر سرِ بازار ملامت نہیں کرتا

کہہ دے کوئی اس دور کے فرعون سے جا کر
میں جھوٹے خداؤں کی عبادت نہیں کرتا

یہ وقت تو آتا ہے محبت میں ہمیشہ
میں شکوۂ طولِ شبِ فرقت نہیں کرتا

پرسش نہ سہی، رنجشِ بے جا ہی عطا ہو
لیکن کوئی ہم پر یہ عنایت نہیں کرتا

غیروں کی طرح تم بھی بدل جاؤ نہ اِک دن
میں اس لئے اظہارِ محبت نہیں کرتا

جو شخص منافق ہے منافق ہی رہے گا
کوئی بھی منافق کی وکالت نہیں کرتا

محفل میں نہ ہو تیرے ستم کا کوئی چرچا
دل سے مگر اِک شخص بھی عزت نہیں کرتا

کیوں ہوگی گوارا انہیں یہ تلخ حقیقت
اس خوف سے اظہارِ حقیقت نہیں کرتا

جینے کا قرینہ تو سکھایا ہے اسی نے
میں وقت کے فرعون سے نفرت نہیں کرتا

خاموش ہیں سب بزم میں اربابِ محبت
اِک شخص بھی ظالم کی حمایت نہیں کرتا

مشہورِ زمانہ ہے تری وعدہ خلافی
میں کوئی غلط بات روایت نہیں کرتا

ناحق ہے تجھے شکوۂ بے جا کی توقع
میں عرضِ تمنا کی بھی جرأت نہیں کرتا

ناواقفِ آدابِ محبت ہے یہ دنیا
اب کوئی محبت کی حماقت نہیں کرتا

جو جرم کیا ہے سرِ بازار کیا ہے
میں اپنے گناہوں کی مدحت نہیں کرتا

ممکن ہے کہ یہ بات بھی ہو لائقِ تعزیر
میں غم پہ بھی اظہارِ مسرت نہیں کرتا

وہ شخص نہیں عشق کی منزل کا شناسا
جو ظالم و جابر سے بغاوت نہیں کرتا

تاثیر کیوں ہو مرے اشعار میں اظہر
میں شمر کی تلوار کی مدحت نہیں کرتا

کراچی جنوری ۱۹۷۵ء

نہ کوئی اپنا نشیمن نہ کوئی اپنا چمن
ڈرایئے نہ ہمیں لے کے نام دار و رسن

کبھی تو خون شہیدوں کا رنگ لائے گا
رہے گا تیری جفاؤں پہ تا بہ کے جوبن

عبث ہے آپ کی ناقدردانیوں کا گلہ
کہ اب نہ عزتِ فن کار ہے نہ عزتِ فن

یہ بات بات پہ اک طنز ایک غیظ و غضب
کہیں ہماری طرف تو نہیں ہے روئے سخن

بڑے خلوص سے ملتا ہوں میں رقیبوں سے
کہ ان کی وجہ سے قائم ہے عزم دار و رسن

ملی نہ داد کبھی بھی نگارشِ غم کی !!
کہاں کہاں نہ بچھائی بساطِ شعر و سخن

توقعات پہ جینا بھی کوئی جینا ہے
یہ خواہمخواہ کا افسوس مفت کی اُلجھن

وہ لاکھ پا بہ سلاسل کریں ہمیں لیکن
خیال و فکر پہ کیسے لگائیں گے قدغن

تم اپنے ظلم و ستم کو چھپاؤ گے کب تک
کبھی تو شاملِ احوال ہوں گے اہلِ وطن

ہجوم رنج و محن میں بھی مسکراتا ہوں
کہ میری زیست کا حاصل نہیں ہے رنج وطن

کہیں وہ یاد نہ کرتے ہوں ہم کو محفل میں
نہ جانے تیز ہے کیوں آج قلب کی دھڑکن

ہمارے نام سے خود زندگی عبارت ہے
ہمیں سکھائیں گے کیا لوگ زندگی کا چلن

وفا شعار بھی اب ہے ستم شعاروں میں
نہ جانے کیسی نحوست ہے آج سایہ فگن

بہار میں تو جنوں خیزیاں مبارک ہیں۔
کدھر کے جیب و گریباں کہاں کا پیراہن

زمانہ لاکھ کرے بدگمانیاں پیدا !!
نہ ہو سکے گی کبھی حسن و عشق میں ان بن

وفا کے نام پہ اتنے فریب کھائے ہیں -
کہ اب تو ہوتی ہے نامِ وفا سے بھی الجھن

یہ چھپ کے تیر کہاں تک چلایئے گا حضور
ہٹایئے تو ذرا درمیان سے چلمن

زمانہ ہم کو ستاتا ہے کس لیے اتنا
نہ اپنے پاس ہے دولت نہ اپنے پاس ہے دھن

رفیق راہ ہیں اظہرؔ یہ حادثات جہاں
انہی کے دم سے ہے چراغ حیات ضو فشن

(کراچی)

نہ جانے کس کی نحوست ہے آجکل ہم پر / کہ اب دعا میں اثر ہے نہ [illegible] میں اثر

ہزار ہم کو ہے افسانۂ وفا از بر / حضورِ یار مگر التجا کریں کیونکر

مآلِ خندۂ گل پر نہیں ہے جن کی نظر / وہی ہیں دہر میں حرص اور ہوس کے پیغمبر

اسی اُمید پہ کٹتا ہے زندگی کا سفر / کبھی تو رات ڈھلے گی کبھی تو ہوگی سحر

منافقوں سے کہاں راہِ زندگی میں مفر / پیمبروں نے بھی ان کا گلہ کیا اکثر

قدم قدم پہ لگی اہلِ عِشق کو ٹھوکر / مگر ہے عزم وہی، آفریں ہے ہمت پر

تم اپنے ظلم و ستم کو چھپاؤ گے کیونکر / ہمارے قتل کا چرچا ہے آجکل گھر گھر

ستم کی بات کہاں، ظلم کا گلہ کیسا؟ / تمہارے عہد میں جینا بھی ہو گیا دوبھر

غمِ حیات سے گھبرا کے بھاگنے والو / اگر حیات ہے مشکل تو موت مشکل تر

خوش آمدید میں کہتا ہوں ہر ستمگر کو / ذرا بھی دل میں نہیں میرے رنج و غم کا اثر

تم ایک حادثۂ وقت سے ہراساں ہو / انہیں بھی دیکھو جو کھاتے ہیں در بدر ٹھوکر

ہمیں خبر ہی نہ تھی ہم خود اپنے دشمن تھے / یہ راز ہم پہ کھُلا آج آپ سے مل کر

تمہیں پسند کیا تھا، تمہیں رقیب پسند / تمہیں بتاؤ کہ ہم کیا کرینگے اب جی کر

بہ فیضِ عشق ہمیں بھی ہے حوصلہ غم کا / دکھاؤ شوق سے تم اپنے ظلم کے جوہر

یہ ایک نشترِ غمِ ابتدائے اُلفت کا / جو زندگی ہے تو ایسے ہزار ہا نشتر

سکوت و صبر مقدر نہیں ہے انساں کا / کبھی تو جراءتِ اظہارِ غم بھی ہے بہتر

ادب شناسِ وفا سے اب اور چاہیے کیا / متاعِ صبر و سکوں تو لُٹا چکے تم پر

مشین بن کے یہ جینا بھی کوئی جینا ہے / کبھی تو راحت و آرام کا ہو گھر میں گذر

تمہارا دعویٰ صبر و قرار کیسا تھا
ذرا سی بات پہ ناراض ہو گئے اظہر

(حیدرآباد)

توجہ اس قدر ہے آج کل اس ماہ پیکر کی
کہ ہم کو اب ضرورت ہمسفر کی ہے نہ رہبر کی
وہ پھر بھی خوش نہیں ہم سے یہ نیرنگی مقدر کی
مگر ہم نے تو اُن پر ہر خوشی اپنی نچھاور کی
بہ فیضِ عشق ہم کو ٹھوکریں کھانا ہیں در در کی
شکایت کیا کریں گلشن کی، گلچیں کی، گل تر کی

زمانہ میں سزاوار جفایوں تو ہزاروں تھے
مگر کیا بات ہے تم نے عنایت صرف ہم پر کی
ہمیں اس رونقِ بزمِ رقیباں کا نہیں شکوہ
کہ ہم پر بھی کبھی ہو گی عنایت بندہ پرور کی
سُنا یہ ہے کہ وہ محفل میں سرگرم نوازش ہیں
چلو ہم بھی تو دیکھیں ایک جھلک مہرِ منور کی
نتیجہ کچھ بھی ہو اہلِ وفا ہمت نہ ہاریں گے
بظاہر تو حق و باطل میں چوٹیں ہیں برابر کی
محبت سب نے کی لیکن ہمیں یہ فخر حاصل ہے
کہ ہم نے نذر اپنی جان کی اور مسکرا کر کی
تمہارے چاہنے والے بہت ہیں یوں تو دنیا میں
یہ بتلاؤ حدیثِ مہر و اُلفت کس نے از بر کی
یہ گردابِ بلا، برقِ ستم، موجِ حوادث کیا
ہمیں منظور ہے ہر اک عنایت بندہ پرور کی
منافق ہو گئے ہیں خاصۂ خاصانِ اُلفت تک
توقع ہم کو رکھنی چاہیئے اب بد سے بدتر کی

ہمیں دیکھو کہ ہم نے اس کا افسانہ بنا ڈالا
محبت کی نظر تو آپ نے ہم پر گھڑی بھر کی

وہ ناحق سرگراں ہیں بے سبب ناراض بیٹھے ہیں
کبھی مشہور تو ہونا تھی ویرانی مرے گھر کی

تمہارے ظلم کی تاویل ہرگز کر نہیں سکتے
ہمیں معلوم ہے جو بات تم نے کی سمجھ کر کی

محبت ہو تو ہیں پایاب یہ ساتوں سمندر تک
ذرا سوچو تو آخر عمر کتنی تھی سکندر کی

خوشا قسمت سزاوارِ ستم ہوں تیری نظروں میں
زہے قسمت یہی تو آرزو تھی میرے اطہر کی

(کراچی)

کتنا عجیب اظہر نظارہ چمن ہے
پھولوں میں بے حسی ہے کانٹوں میں بانکپن ہے
ظلمت سرائے غم میں یہ کون ضو فگن ہے
مینا بدوش کلیاں ساغر بکف چمن ہے
کیا کہیئے کیا مآلِ آزادیٔ وطن ہے ـ!
بے نور بام و در ہیں بے رنگ انجمن ہے
تجھ کو خبر نہیں ہے اے عندلیب شائد
کوئی تو بات ہوگی ہر گل جو کم سخن ہے
کیا جانے کیا دکھائے طوفان رنگ و نکہت
نازک سے ایک گل کا نازک سا پیرہن ہے
بدلا ہے صرف اتنا نظم و نظام عالم
آباد ہر قفس ہے، ویران ہر چمن ہے
اظہرؔ اٹھو کہ آیا پیغام عزم و ہمت
آوازِ غیب سمجھو شاعر کا جو سخن ہے۔

(کراچی)

جذبِ دل بے فیض ہے جوشِ وفا بیکار ہے — آجکل کی زندگی آزار ہی آزار ہے

ہر نفس طوفانِ غم سے برسرِ پیکار ہے — زندہ رہنے کے لئے بھی حوصلہ درکار ہے

اک ذرا دیکھو تو فہرست شہیدانِ وفا — یوں تو کہنے کو وہ خوش اخلاق خوش اطوار ہے

بر سبیلِ تذکرہ بھی ہے، عرضِ الفت ہے محال — کیا بتائیں کس قدر برہم مزاجِ یار ہے

کوڑیوں میں بھی نہیں بکتی متاعِ آگہی — عقل و دانش اس قدر رسوا سرِ بازار ہے

یوں تو پہلے ہی نہ تھے خوش بخت اربابِ وفا — اب زمانہ کا زمانہ درپئے آزار ہے

ذہن سے کیا کام لیں فکرِ رسا کا کیا کریں — گفتگو کرنا تو ان کی بزم میں دشوار ہے

جرأتِ اظہار کی کس سے توقع کیجئے — قائلِ فہم و فراست تو ذلیل و خوار ہے

نکہتِ گل پر بھی گلچیں کا تسلط ہو گیا — اتنی ظالم حادثاتِ وقت کی رفتار ہے

اب نئے اصنام ڈھونڈیں گے محبت کیلئے — دل پرانے مہ وشوں کے نام سے بیزار ہے

کیا کریں بے غیرتی اظہر مقدر میں نہیں
یہ خلوصِ آرزو اب تک گلے کا ہار ہے

(کراچی)

توقع تم سے کب اخلاص کی تھی
تمہاری دوستی تو تھی غرض کی
شکایت کیا کریں ظلم و ستم کی
محبت آپ کو پہلے ہی کب تھی
رقیبوں نے تو اپنی بات کہہ دی
اب ان سے گفتگو ہو گی ہماری
حقارت اور اہل دل سے اتنی
محبت آپ نے پھر کس لیے کی
محبت ہم نے کی اور آپ سے کی
ہمیں تسلیم یہ دیوانگی بھی
رقیبوں سے تمہیں فرصت کہاں ہے
تمہیں اور دوستوں کی یاد آتی
وہ ہم سے کیا کرم کی بات کرتے
انہیں تو ظلم کرنا تھا ضروری
محبت کر چکے تم دوستوں پر
تمہیں منظور تھی ایذا پسندی
محبت میں قفس ہے جب مقدر
تو پھر یہ حسرت پرواز کیسی
تمہاری بات کا کیسے یقیں ہو
ریاکاری تو فطرت ہے تمہاری
محبت آپ کی نفرت کے باوصف
ازل سے تا ابد قائم رہے گی

تمہیں رسوا کریں گے زندگی بھر
ہمیں پرواہ کب ہے زندگی کی
ہمارے حوصلے کیوں پست ہوتے
ستم کی رات خود ہی مختصر تھی
ستاؤ گے کہاں تک اہلِ دل کو
زوال آئے گا اک دن حسن پر بھی
وہ سرگرم وفا کیسے ہوں ناظرؔ
ابھی باقی ہے گنجائش جفا کی

(کراچی)

آنکھوں میں شکایت ہے نہ ہونٹوں پہ گلہ ہے
تسلیم و رضا شیوۂ ارباب وفا ہے

اس بزم کا یہ طور نہ دیکھا نہ سنا ہے
الفت میں رقیبوں سے، رفیقوں سے گلہ ہے

کیا جرم ہے ہم نے جو ترا نام لیا ہے
دل والوں نے یہ جرم ہمیشہ ہی کیا ہے

ہم کس کو خطاوار کہیں اور کسے کوسیں
قسمت میں ہی ناکردہ گناہوں کی سزا ہے

اب دل کا لگانا بھی ہے تعزیر کے قابل
یہ شکوۂ بے مہری احباب تو کیا ہے

تجدید ملاقات کی کوشش ہی غلط تھی
اس دور میں مفہوم محبت بھی نیا ہے

سر دیکے ہی ہوتے ہیں سرافراز محبت
ہم نے تو سبق دار و رسن سے یہ لیا ہے

چہرہ پہ بھی چاہت کے کچھ آثار ہوں ورنہ
کیا آپ کے اس عہد محبت میں دھرا ہے

مطلوب ترا لطف نہ محبوب ترا غم
یہ شکوہ و شکایت تو رقیبوں کی ادا ہے

افسانۂ محبت کا تو اب ہوگا مرتب
ہم نے تو ترے نام سے آغاز کیا ہے

بیکار ہے یہ عہد، یہ پیمان یہ وعدہ
اظہر کو ترے سارے ارادوں کا پتہ ہے

(حیدرآباد)

زندگی کو مبتلائے رنج و غم کرتے رہے
خاطرِ احباب کے ساماں ہم کرتے رہے

ذکرِ شعروں میں بھی جرمِ شوق کا ہوتا رہا
زندگی بھر مدحتِ لوح و قلم کرتے رہے

محفلِ دار و رسن میں بھی کیا ذکرِ وفا
جو ہمارے فرض میں شامل تھا ہم کرتے رہے

وادیٔ گنگ و جمن سے وادیٔ مہران تک
داستانِ شوق کے عنواں رقم کرتے رہے

ہر قدم پہ سامنا تھا گو حوادث کا ہمیں
پھر بھی ہم ذکرِ بتاں، یادِ صنم کرتے رہے

کس قدر معصوم نکلے ساکنانِ کوئے دوست
مرتے دم تک اُن سے اُمیدِ کرم کرتے رہے

موسمِ گل میں بھی ہے بے کیفیٔ محفل وہی
وہ کچھ اس صورت سے تشہیرِ ستم کرتے رہے

اس توقع پر کہ شاید رحم آ جائے انہیں
ہم ہر اک لمحہ کو صرفِ رنج و غم کرتے رہے

مطمئن تھے ہم تو زیرِ سایۂ دیوارِ غم
کس کی خاطر پھر وہ تاویلِ اہلِ ستم کرتے رہے

ان پہ اظہرؔ اپنی گمراہی کی تہمت تھی غلط
ہم تصدق ان پہ خود دیر و حرم کرتے رہے

(خیرپور)

لاکھ ہم حاملِ حقارت ہیں — پھر بھی اس دور میں غنیمت ہیں

آپ ہر چند خوبصورت ہیں — پھر بھی ظالم ہیں بے مروّت ہیں

ہم سزاوارِ ظلم و ذلت ہیں — جو بھی ہیں عشق کی بدولت ہیں

دوستی کی بھگت رہے ہیں سزا — اتنی سادہ کتابِ الفت ہیں

شوق سے ہم کو دار پر کھینچو! — کیا کریں مجرمِ محبت ہیں

تم نشیمن کی بات کرتے ہو — ہم قفس میں بھی، [illegible] ہیں

شوق سے ہم سے کیجئے نفرت — ہم کہ نا آشنائے نفرت ہیں

حادثہ اس سے بڑھ کے کیا ہوگا — اس نظر میں بھی بے حقیقت ہیں

حشر ڈھاتے ہیں روز وہ ہم پر — اتنے گرویدۂ قیامت ہیں

دوست بھی بن گئے ہیں اب دشمن — ہم ہی خود قابلِ مذمت ہیں

ناحق اپنی گلی کو چھوڑا تھا — اب تو مجموعۂ حماقت ہیں

جان کر ہم نے کھائے تھے دھوکے — ہم سزاوارِ ہر مصیبت ہیں

ہائے کیسی ہوئی ہے نادانی! — دیکھو ہم کو درسِ عبرت ہیں

راہ زن کو سمجھ لیا رہبر — اتنے گم کردۂ حقیقت ہیں

ہم سے پرخاش کیوں ہے لوگوں کو — ہم تو خود زندگی پہ تہمت ہیں

اپنے ہی گھر میں ہو گئے بے گھر — سچ ہے ہم ننگِ آدمیت ہیں

اپنے بیگانے سب ہیں ہم سے خفا — اس قدر نامرادِ الفت ہیں

ہم کو اب تک ہے پاسِ عہدِ وفا — وہ سمجھتے ہیں بے حمیت ہیں

ہم نے سوچا تھا کچھ اور ہوا کچھ اور! — اب تو تصویرِ یاس و حسرت ہیں

جان و دل سب نثار کر بیٹھے — پھر بھی ہم موجبِ شکایت ہیں

کوئی اپنا ہمیں نہیں کہتا — اتنے رسوائے آدمیت ہیں

یوں نہ ٹھکرائیے ہمیں ہرگز — کم سے کم ہم فرشتہ خصلت ہیں

سننے والا کوئی نہیں اظہر — کیا کہیں ان کہی حکایت ہیں

کس کس کی شکایت کریں کس کس سے گلہ ہو
قسمت میں جو لکھا ہے وہی ہم کو عطا ہو

سب کچھ ہے سر آنکھوں پہ سزا ہو کہ جزا ہو
تم مفت میں اربابِ محبت سے خفا ہو

ہے سخت بہت مرحلۂ ترکِ محبت
اور یہ بھی اگر اپنے مقدر میں لکھا ہو

محفل سے اُٹھانا تو نئی چیز نہیں تھی
وہ ظلم کرو ہم پہ جو دیکھا نہ سُنا ہو

تسلیم ہمیں آپ کا ہر ظلم و ستم ہے
ممکن ہے یہی اپنی محبت کا صلہ ہو

تبدیلیٔ ماحول کی کوشش ہی غلط تھی
کیجے وہی جو وقت کے ماتھے پہ لکھا ہو

وہ شوق سے چھپتے پھریں چلمن سے نہ نکلیں
اور ہم نے اگر پھر بھی انہیں دیکھ لیا ہو

ہم جیسے فقیروں کو ستانا نہیں اچھا
ان ہی پہ حکومت کرو تم جن کے خدا ہو

اس دل سے بھی ہے ترکِ تعلق کی توقع
جو تیری جفاؤں کا سزاوار رہا ہو

اظہارِ محبت بھی بڑا جرم ہے لیکن
یہ جرم اگر ہم نے سرِ دار کیا ہو

اس واسطے کرتا ہوں ہر اک ظلم گوارا
شائد یہ مرے بھولنے والے کی ادا ہو

ہم اہلِ محبت سے کدورت نہیں اچھی
ہم نے جو کبھی لب پہ ترا نام لیا ہو

یاروں میں بھی نکلے بڑے اغیار طبیعت
نیرنگیٔ حالات زمانہ کا بھلا ہو

شکوہ نہ کرے جور و جفا کا کبھی ہرگز
اظہر کو اگر تیرے خیالوں کا پتہ ہو

(حیدرآباد)

وہ تو برہم ہیں مگر نظمِ جہاں برہم نہیں
اہلِ دل کے واسطے یہ حادثہ بھی کم نہیں

کوئی اس رازِ محبت کا ابھی محرم نہیں
زندگی اِک شعلہ جوالہ ہے شبنم نہیں

حسن نادم ہے جفا پر گو یہ چشمِ نم نہیں
کون کہتا ہے کہ ربطِ آرزو محکم نہیں

دردِ الفت بھی ہے اب جلِ کیفِ حیات
کون ہے جو حادثاتِ زیست کا محرم نہیں

اللہ اللہ التفاتِ خاص کا باعث ہے
وہ سرشکِ غم کہ جو شعلہ نہیں شبنم نہیں

وجہِ تسکینِ دلِ بے تاب ہو سکتی نہیں
وہ نگاہِ ناز جو لذت شناسِ غم نہیں

زندگی اک سیلِ خوں ہے ایک موجِ گلفشاں
پھر بھی خوبانِ جہاں کی بے نیازی کم نہیں

دل ہے اب بھی کشتۂ نیرنگیٔ حالاتِ عشق
ہاں مگر وہ اضطرابِ شوق کا عالم نہیں

تشنۂ پیرِ مغاں جو رند ہیں ان کے لئے
یہ شکستِ نشہ کی کیفیت بھی کم نہیں

میں نہ دوں گا خاطرِ نازک کو تکلیفِ کرم
آپ کی چشمِ تغافل بھی مجھے کچھ کم نہیں

شاعری اظہرؔ فقط ہے وارداتِ دل کا نام
لیکن اس رازِ حقیقت کا کوئی محرم نہیں

(حیدرآباد)
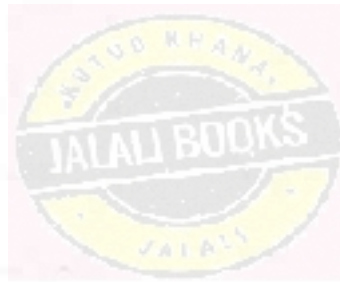
جو زخم محبت ہے مرہم نظر آتا ہے — اب اور ہی کچھ دل کا عالم نظر آتا ہے

پھر کاکلِ پرخم ہے اس دوش پہ لہرائی — شیرازۂ دل پھر کچھ برہم نظر آتا ہے

یہ منظرِ فطرت بھی کیا منظرِ فطرت ہے — واضح نظر آتا ہے، مبہم نظر آتا ہے

تسخیرِ مہ و انجم تسلیم مگر پھر بھی — مخدوش بہت ابنِ آدم نظر آتا ہے

یا عینِ بصیرت ہے یہ بے بصری میری — یا مجھ کو محبت میں کچھ کم نظر آتا ہے

یہ عشق بھی کیا شے ہے کھلتا نہیں کچھ اظہر
شعلہ نظر آتا ہے، شبنم نظر آتا ہے

(حیدر آباد)

شبِ غم مختصر نہیں ہوتی نہیں ہوتی سحر نہیں ہوتی
اشکِ غم ہیں کہ بہتے جاتے ہیں آستیں ہے کہ تر نہیں ہوتی
حادثوں سے نہ کھیلئے جب تک زندگی معتبر نہیں ہوتی
دل سے وہ اس طرح گذرتے ہیں دل کو کوئی خبر نہیں ہوتی
اس پہ اُٹھتی نہیں کسی کی نگاہ جس پہ تیری نظر نہیں ہوتی
نکہتِ گُل کا فیض ہے ورنہ جراتِ بال و پر نہیں ہوتی
یہ مرا وہم شامِ غم توبہ ! کہ سحر بھی سحر نہیں ہوتی
بے نیازی کی جس میں شان نہ ہو وہ نظر کارگر نہیں ہوتی
جس کے ذرے نہیں نہ مہر نہ ماہ وہ تری رہگذر نہیں ہوتی

ہو جو ذوقِ سفر تو پھر اظہرؔ
رہگذر رہگذر نہیں ہوتی

(حیدرآباد)

انہیں نے کچھ طلسمِ رنگ و بو کا راز جانا ہے
جنہیں کانٹوں میں بھی ہنسنا ہے دامن بھی بچانا ہے

نظر انداز جن کو کر دیا ان مست نظروں نے
مجھے ان حادثاتِ عشق کو اپنا بنانا ہے

سکون بے نہایت موت ہے اہلِ محبت کی
مگر اس راز کو اہلِ محبت ہی نے جانا ہے

ہجوم برق و باراں ہو کہ طوفانِ غم دوراں
مجھے تو اپنے دل کے حوصلوں کو آزمانا ہے

بھرم کھل جائے اظہرؔ جس سے شانِ خود فریبی کا
مجھے نخوت پرستوں کو وہ آئینہ دکھانا ہے

(حیدرآباد)

دین دنیا کو نثارِ روئے زیبا کر دیا — دل بڑا ظالم تھا جو بھی جی میں آیا کر دیا

نیک نامی دہر کی، جنّت میں جانے کی ہوس — اک تبسّم پر نچھاور ہم نے کیا کیا کر دیا

نشر و شانِ وفا بیباک نکلے اس قدر — ان سے تجدیدِ تمنّا کا تقاضا کر دیا

وہ جفا پیشہ تھے، باز آتے جفا سے کس طرح — ہم نے بھی اہلِ وفا کا بول بالا کر دیا

اتنا دل آویز تھا ان کی پذیرائی کا شوق — ہم نے دل کو بے نیازِ دین و دُنیا کر دیا

قابلِ نظارہ تھی آرائشِ دیدِ حرم — اس محبّت کا بُرا ہو جس نے اندھا کر دیا

ان کی خاطر ہم رقیبوں سے بھی جا جا کر ملے — ہم نے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کر دیا

آگ ہو، دریا ہو یا ہنگامۂ دار و رسن — اہلِ دل نے عاشقی کا نام اونچا کر دیا

ایک عرضِ شوق پر لازم نہ تھا یہ اجتناب — آپ نے ہم کو زمانہ بھر میں رسوا کر دیا

کام کیا اظہرؔ کے آئیں دوستوں کے مشورے
اب تو اس نے جان و دل دونوں کا سودا کر دیا

(حیدرآباد)

حضور دوست جو کہنا ہے برملا کہہ دو
یہ میکدہ ہے یہاں مصلحت سے کام نہ لو

تمام عمر رقیبوں کی سمت مت دیکھو
مرے حبیب کبھی عرضِ شوق بھی سن لو

خلوصِ دل کا تقاضہ جو ہو وہ کر گزرو
رہِ وفا میں رقیبوں کی سمت مت دیکھو

تمام رات نہ جاگو نہ انتظار کرو
یہ وعدہ کیا ہے محض دل لگی ہے نا سمجھو

کبھی تو جراءت اظہار بھی ضروری ہے
جو دن کو دن نہ کہو رات کو تو رات کہو

یہ زندگی ہے فقط رنج و غم کا نام نہیں
اگر مزاج میں آجائے تو ذرا سوچو!

مٹا دیا ہے ہمیں نقشِ بہارِ بحر کی طرح
زمانہ سازیِ یارانِ میکدہ دیکھو

ہمیں تو تم سے محبت ہے وضع دار ہیں ہم
کبھی تو اپنے پرائے میں تم بھی فرق کرو

کبھی وصال کی حسرت کبھی فراق کے کام
یہ عشق ایک پہیلی ہے اس کو کیا بوجھو

تمہارے حسن کا پرتو ہے میرے چہرے پر
یقیں نہ ہو تو نگاہیں ملا کے بات کرو

کسی پہ لطف و کرم ہے کسی پہ غیظ و غضب
یہ اپنا اپنا مقدر ہے کیا کریں اسکو

مآلِ الفتِ ناکام پوچھنے والو!
سوائے طعنہ و دشنام کیا ملا ہم کو

ازل سے عشق تغیر پذیر ہے اظہر
جو وہ بدل نہ سکیں اپنے آپ کو بدلو

حیدرآباد

گلوں سے پیار، ستاروں سے گفتگو کرتے
جو غم کی زد پہ نہ ہوتے تو آرزو کرتے

شکایتِ غم و آلام کوبہ کو کرتے
لبوں پہ مہر نہ ہوتی تو گفتگو کرتے

ہر آرزو ہر اک امید کا لہو کرتے
یہ سب قبول، جو وہ پاسِ آرزو کرتے

تمام عمر حوادث سے کھیلتے گذری
ہم اور تذکرۂ ساغر و سبو کرتے

ہم اور محفلِ اغیار میں شکایتِ دوست
اگر قصور یہ کرتے تو روبرو کرتے۔

زبانِ لالہ و گل سے حدیثِ دل کہتے
غم و الم کے سمندر کو آبِ جو کرتے

مآلِ خندۂ گل پر نظر رہی اپنی
مجال تھی جو تمنائے رنگ و بو کرتے

چمن میں لالہ و گل بھی تو چاک دامن تھے
ہم اپنے چاک گریباں کو کیوں رفو کرتے

تلاشِ دوست تو اک کارِ سہل تھا اظہر
مزا تو جب تھا کہ آپ اپنی جستجو کرتے

(حیدرآباد)

اب ربط و ضبطِ شوق کے شام و سحر کہاں
بیگانگی کی راتیں ہیں ناراضگی کے دن

لاؤں کہاں سے دل کشئ باہمی کے دن
اک خواب بن گئے تیری دوستی کے دن

ہر لحظہ سامنے ہے کسی کا رُخِ جمیل
کٹتے ہیں روشنی میں غمِ تیرگی کے دن

شاید خبر نہیں ترے حُسنِ تماب کی
پیغامِ زندگی ہیں تری برہمی کے دن

میری محبتوں کی کسی کو خبر نہیں
ہر چند کہنے کو ہیں یہ بیگانگی کے دن

لمحاتِ غم گذار رہا ہوں کچھ اسطرح
جیسے نصیب ہم کو ہوئے ہیں خوشی کے دن

اظہر کے لب پہ حرفِ شکایت نہ آسکا
سرمایۂ سکوں ہیں تیری دشمنی کے دن

(حیدرآباد)

خبر کیا ان کو یاد اظہر ناشاد کیا ہو گی
کسی برباد غم کی زندگی آباد کیا ہو گی
خلوص عشق کو مطلوب ہیں دلداریاں ہی
طبیعت خود بخود بیگانۂ فریاد کیا ہو گی
یقین عشق صادق نے جسے خود ہی بنایا تھا
وہ دنیا حادثات دہر سے برباد کیا ہو گی
نشیمن جل رہا ہے اور اُف بھی کر نہیں سکتے
اگر یہ مہربانی ہے تو پھر بیداد کیا ہو گی
سکوت لب کے باعث تو نفاذں میں تلاطم ہے
کوئی اندازہ فرمائے مری فریاد کیا ہو گی
ابھی تک دل میں باقی ہے کھٹک آغاز اُلفت کی
مسیراب دوبارہ یہ افتاد کیا ہو گی
اسیران قفس آداب گلشن ہی بھلا بیٹھے
جو یہ سچ ہے تو ان سے خاطر صیاد کیا ہو گی
تغافل اور مسلسل اک تغافل واہ کیا کہنا
قیامت اس سے بڑھ کر اے ستم ایجاد کیا ہو گی
کبھی وہ بھی بنے تھے ہمسفر راہ تمنائیں - !
محبت کی وہ شب اظہر انہیں اب یاد کیا ہو گی

(حیدر آباد)

چشمِ ساقی کی توجہ ایک افسانہ بھی ہے

میکدہ بھی رقص میں ہے دل کا پیمانہ بھی ہے

ناصحا ترکِ محبت اور میں اب کیا کہوں

تو ہے فرزانہ مگر تھوڑا سا دیوانہ بھی ہے

داستانِ آرزو شاید مکمل ہو گئی!

شمع کے آنسو بھی ہیں کچھ خاک پروانہ بھی ہے

تشنگیٔ اضطراب شوق لیکن شرط ہے

زندگی ہر ہر قدم پر ایک میخانہ بھی ہے

یوں تو مسلک صلح کل میرا ہے لیکن کیا کروں

میرا طرزِ زندگی اظہرؔ حریفانہ بھی ہے

(حیدرآباد)

نہ التماس تمنا نہ عرض شوق کرو
ادب شناس محبت جو بن سکو تو بنو

عجیب سادہ و بے رنگ ہے فسانۂ زیست
کسی حسین کسی مہ جبیں کی بات کرو
بس اک نگاہ کرم پر یہ حوصلہ دل کا
ادب شناس بنو جرأت آزما نہ بنو

سوادِ منزلِ مقصد وہ آ رہا ہے نظر
چلو چلو یونہی پائے طلب بڑھائے چلو
تم اپنا حال سناؤ گے تا بہ کے اظہرؔ
بس اب خموش رہو دوسروں کا حال سنو

(حیدرآباد)

لالہ و گوہر پہ نظر ہے اب نہ گلشن کی تلاش
اشکِ رنگیں کو ہے میرے اُنکے دامن کی تلاش

فصلِ گل میں سب کو ہے اپنے نشیمن کی تلاش
مجھکو لاتی ہے چمن میں جیب و دامن کی تلاش

شوقِ خودداری وہی احساسِ آزادی وہی
ہوں قفس میں پھر بھی ہے مجھکو نشیمن کی تلاش

میں خزاں پروردہ ہوں میری بہاریں کچھ نہ پوچھ
خار کے آغوش میں ہے مجھکو گلشن کی تلاش

اس قدر کھائے ہیں دھوکے میں نے راہِ شوق میں
اب نہ رہبر کی تمنا ہے نہ رہزن کی تلاش

جانے کیا باعث ہے اے صیاد کچھ کھلتا نہیں
برق کو رہتی ہے کیوں میرے نشیمن کی تلاش

تو کہاں سے لائے گا میرا مذاقِ رنگ و بو
بجلیوں کی مجھکو خواہش تجھکو خرمن کی تلاش

جراتِ پرواز نے بدلا نظامِ گلستاں
اب قفس کی جستجو بھی ہے نشیمن کی تلاش

روح قیدِ جسم میں جب تک رہی نالاں رہی
مضطرب رکھتی ہے سبکو اپنے مسکن کی تلاش

چلتے پھرتے جس نے اک دن ہنس کے لوٹا تھا مجھے
کر رہا ہوں کوبکو اس شوخ رہزن کی تلاش

طاقتِ پرواز و شوقِ دید دیکھا چاہیے
اک مرغِ ناتواں کو ہے نشیمن کی تلاش

چشمِ موسیٰ کو دکھانا تھا کسی کا رعبِ حسن
ورنہ شوقِ دید کو اور برقِ ایمن کی تلاش

تیزتر ہے طائرِ سدرہ سے بھی پروازِ روح
کس جہانِ رنگ و بو میں ہے نشیمن کی تلاش

شاعرِ فردا کو بس کافی ہے پایانِ طلب
کس ہنر کی جستجو اظہر ہے کس فن کی تلاش

(اشفند و آدم)

ہم گردشِ حالات کا شکوہ نہیں کرتے
کرتے ہیں تو پھر شکوۂ بے جا نہیں کرتے

وہ کیا ہیں رقیبوں کو بھی کوسا نہیں کرتے
ہم مرتبۂ عشق گھٹایا نہیں کرتے

چہرے سے عیاں جبر ہے آنکھوں سے عداوت
اس طرح غریبوں کو بھی دیکھا نہیں کرتے

الفت ہے تو کیا گردشِ ایام سے ڈرنا
آنسو کبھی فرقت میں بہایا نہیں کرتے

خود ہم نے الٹ دی ہے بساطِ مہ و انجم
ہم مات کبھی وقت سے کھایا نہیں کرتے

جان دیکے ہی آتا ہے محبت کا قرینہ
مرہم کبھی زخموں پہ لگایا نہیں کرتے

اک لمحہ بھی آرام نہیں عشق ستم سے
غیروں کو بھی اس طرح ستایا نہیں کرتے

دل سے جو نکلتی ہے وہی بات ہے اچھی
ہم شوکتِ الفاظ کو ڈھونڈا نہیں کرتے

سجتی ہے انہیں خوب یہ دشنام طرازی
ہم اس کرمِ خاص پہ ٹوکا نہیں کرتے

یہ ناز یہ انداز ہمیشہ نہ رہے گا
یہ ناز یہ انداز ہمیشا نہیں کرتے

ہم ہی نے بنایا ہے انہیں فاتحِ دوراں
اس چیز کا لیکن کبھی چرچا نہیں کرتے

ہم خاک نشینوں سے تمسخر نہیں اچھا
سب لوگ تمسخر کو گوارا نہیں کرتے

وہ محوِ خود آرائی ہیں۔ خوددار ہیں ہم بھی
ہم لوگ کبھی عشق کا سودا نہیں کرتے

کیا جانیے کیا حال ہوا اس دور میں اپنا
کچھ سوچ کے ہم غم کا مداوا نہیں کرتے

جو کچھ ہو ادھر سے ہو کرم ہو کہ ستم ہو
ہم لطفِ رقیباں پہ بھروسا نہیں کرتے

الفت میں بھی ہے حفظِ مراتب کی ضرورت
تم اس کو مٹاتے ہو تو اچھا نہیں کرتے

جو تیرے پرستار ترے غم کے امیں ہیں
وہ سر کسی چوکھٹ پہ جھکایا نہیں کرتے

تھی بات ضروری جو کہا تجھ کو ستمگر
بے وجہ ترا نام اچھالا نہیں کرتے

وہ اور تأسف کریں اظہارِ وفا پر
جو اپنے گناہوں پہ بھی توبہ نہیں کرتے

ہر بات پہ راضی ہیں ہر اک حال میں خوش ہیں
ہم پرسشِ پیہم کا تقاضا نہیں کرتے

یہ ظلم و ستم جورِ الم ٹھیک ہے لیکن ۔۔!
اس طرح سے اپنوں کو ڈرایا نہیں کرتے

احسان ہے یہ بھی مرے جذبات وفا کا
دل دیکھے چلے جائیں یہ امید عبث ہے

دل پر جو گذرتی ہے بتایا نہیں کرتے
اور حضرتِ اظہر کبھی ایسا نہیں کرتے

(خیرپور)

ہم تذکرۂ عشق سرِ دار کرینگے
جو لائق اظہار ہے اظہار کرینگے

کیا خوب وہ اب ہم کو گرفتار کرینگے
ہم ان کی محبت سے کبھی انکار کرینگے

ہم کو کبھی اس بات کے لائق بھی تو سمجھو
ہم دل کو ترے غم کا سزاوار کرینگے

ہم تیرے تلون کی شکایت نہیں کرتے
یہ بات ترے حاشیہ بردار کرینگے

تم نے تو کیا تھا ہمیں رسوا سرِ محفل
اب ہم تمہیں رسوا سرِ بازار کرینگے

دشوار بنایا ہے بہت زیست کو تو نے
ہم بھی ترا جینا کبھی دشوار کرینگے

ہم نے تو بہت صبر کیا ہے مگر اک دن
فہرست ترے ظلم کی تیار کرینگے

یکساں کبھی رہتے نہیں میخانے کے حالات
اک دن تجھے رسوا یہی مئے خوار کرینگے

ہم سے تو نہ رکھ شکر و شکایت کی توقع
جو کام ہے اغیار کا اغیار کرینگے

اقرار محبت ہو کہ اظہارِ وفا ہو
جو کچھ ہمیں کرنا ہے سرِ دار کرینگے

طوفانِ بلا، برقِ ستم، موجِ حوادث
کس کس کا گلہ تیرے پرستار کرینگے

کٹ جائے گی یہ زیست غمِ دل کے سہارے
ہر حال میں ذکرِ لب و رخسار کرینگے

مدت سے ہے یہ زیست گناہوں سے عبارت
اب اس سے سوا کیا یہ گنہگار کرینگے

لکھیں تو کبھی آپ ہمیں پیار بھرا خط
سر پر کبھی رکھیں گے کبھی پیار کرینگے

تم عرضِ محبت پہ خفا ہو گے کہاں تک
یہ جرم تو ہم لوگ کئی بار کرینگے

بیکار ہے غیروں سے ترے ظلم کا شکوہ
ہم تیرا گلہ برسرِ دربار کرینگے

اظہر مرے مسلک میں خوشامد نہیں جائز
یہ کام تو غالب کے طرفدار کرینگے

(خیرپور)

جان و دل کی پھر سے ہم بازی لگا سکتے نہیں
اب نگاہِ ناز کے دھوکے میں آ سکتے نہیں

جان دے سکتے ہیں اور آنسو بہا سکتے نہیں
ہم زمانہ کو شریکِ غم بنا سکتے نہیں

سر اُٹھا سکتے نہیں، آنکھیں ملا سکتے نہیں
حُسن والے عشق کی منزل کو پا سکتے نہیں

ان کو آسکتا نہیں اپنی محبت کا یقیں
اور ہم دل چیر کر اپنا دکھا سکتے نہیں

ان کو ہے پاسِ وفا بھی اور غرورِ حُسن بھی
باوجودِ ضبط حالِ دل چھپا سکتے نہیں

جان دے کر بھی سکونِ زیست ملنا ہے محال
ان کے غم سے ہم کبھی دامن بچا سکتے نہیں

دیدنی ہے بزم میں ان کی پریشاں خاطری
ساتھ رہ سکتے نہیں دامن چھڑا سکتے نہیں

ہو مبارک ان کو تجدیدِ وفا کی آرزو
ہم مگر ان کو دوبارہ آزما سکتے نہیں

مختصر ہے ہماری داستانِ آرزو
ان کے ہو کر بھی انہیں اپنا بنا سکتے نہیں

ان کی خاطر ہم نے غیروں سے بھی رکھی رسم و راہ
اہلِ دل ان عادتوں سے بچ کے جا سکتے نہیں

اک زمانہ گوش بر آواز ہے اظہرؔ تو کیا
بے اجازت داستانِ دل سنا سکتے نہیں

(خیرپور)

زندگی کو بے نیازِ درد و درماں کیجیے
حسن والوں پر جو ممکن ہو تو احساں کیجیے

غیر سے بھی ربط ہو دربان سے بھی واسطہ
ان سے ملنا ہے تو پھر ملنے کا ساماں کیجیے

آج تک تو مل نہ پایا امن ساحل میں سکوں
کشتیِ عمرِ رواں کو نذرِ طوفاں کیجیے

ان کی یادوں سے سجا لیجیے خیابانِ خیال
اپنی بزمِ شوق کو رشکِ بہاراں کیجیے

تلخیِ ہستی سمو لیجیے شرابِ شوق میں
کچھ نہ کچھ تو احترامِ یادِ یاراں کیجیے

اک زمانہ ہے انہیں زندگی ہے یادِ یار
اب تو یادِ یار ہی سے عہد و پیماں کیجیے

میکدہ میں ایک لمحہ کے لئے آ جائیے
اک نظر تو آپ سوئے میگساراں کیجیے

ہو بہو کھنچ جائے نقشہ جلوہ گاہِ ناز کا
اس طرح ترتیبِ روداد بہاراں کیجیے

بے نیازی کو بنا لیجیے شعارِ زندگی
اور ساری آرزوئیں ان پہ قرباں کیجیے

بن بلائے وہ چلے آئیں حریمِ شوق میں
دل کے داغوں کو کچھ اس صورت نمایاں کیجیے

اب تو ہر لحظہ نگاہوں میں ہے تصویرِ حبیب
کس توقع پر امیدِ شامِ ہجراں کیجیے

میں تو رہرو ہوں، رہوں گا عمر بھر خانہ خراب
آپ کیوں مرے لئے خود کو پریشاں کیجیے

جان دینا ہے تو دیجئے ان کے پائے ناز پر
چلتے چلتے یہ بھی اک کارِ نمایاں کیجیے

دیکھے دل اظہرؔ مآلِ غم سے کیا گھبرائیے
ان سے ملئے اور شکرِ رنج و حرماں کیجیے

(خیرپور)

عمر بھر اُن سے نہ ملنے کا ارادہ کرنا
شیوہ دوست نہیں دوست کو رسوا کرنا

قصۂ وامق و فرہاد کا چرچا کرنا
اُن سے اس طرح بھی اظہارِ تمنّا کرنا

ہر جفا ہر ستم و جور گوارا کرنا،
دیکھئے دل ان کو مناسب نہیں شکوا کرنا

نام لینے میں بھی اندیشۂ رسوائی ہے
جان دے دینا مگر ذکر نہ اُن کا کرنا

غیر کے کہنے پہ بھی رحم نہ آیا اُن کو
اب تو بیکار ہے ملنے کا تقاضا کرنا

ایک ہی بار ہوا کرتا ہے پیمانِ وفا
اُن سے اظہارِ محبت نہ دوبارا کرنا

داستاں بلبلِ بے تاب کی ہو جائے بیاں
شکوہ کرنا مگر اس طرح سے شکوا کرنا

مضحکہ خیز ہوئی جاتی ہے رسوائی دِل
کام آتا نہیں غیروں پہ بھروسا کرنا

ان کی مرضی ہے ستم ہو کہ کرم ہو دل پر
کفر ہے اپنے لئے شکوۂ بے جا کرنا

زندگی کٹتی ہے وعدوں کے سہارے اپنی
تم کو آتا ہی نہیں وعدہ کو پورا کرنا

اُن کو غیروں سے ہے اک ربطِ خصوصی اظہرؔ
اب مناسب نہیں اظہارِ تمنّا کرنا!

(خیرپور)

تم گئے جس دن سے لطفِ زندگی جاتا رہا
دوست کیسے اعتبارِ دوستی جاتا رہا

دوستی نفرت میں بدلی اور عداوت بن گئی
اعتبارِ کاروبارِ عاشقی جاتا رہا

دل لگایا آپ نے غیروں سے یہ اچھا کیا
ہاں زمانہ سے وقارِ دوستی جاتا رہا

عشق کو ہر حال میں لازم تھا پاسِ دوستی
غم نہیں اس کا سکونِ دائمی جاتا رہا

تم جہاں پر ہو وہیں پر کعبۂ مقصود ہے
فرق بس یہ ہے کہ لطفِ بندگی جاتا رہا

ان کے دم سے تازگی تھی گلشنِ جذبات میں
اور اب مل بیٹھنے کا لطف ہی جاتا رہا

درمیاں ہیں اب تو بس کوہ و دمن کے سلسلے
کیا ہے گلہ ہے دید کا امکان بھی جاتا رہا

اب نہ کوئی خط نہ کوئی نامہ و پیغام ہے
ناز تھا جس پر وہ ربطِ باہمی جاتا رہا

التفاتِ خاص سے قائم تھا اُلفت کا بھرم
اب بہ فیضِ غم یہ نازِ عاشقی جاتا رہا

مطمئن رہیے ستاؤں گا نہ ہرگز آپ کو
سر سے اپنے یہ خیالِ خام ہی جاتا رہا

میرے حق میں یاد ان کی اک قیامت بن گئی
جس پہ تکیہ تھا وہ غم یکبارگی جاتا رہا

اب تو ہر ذلت گوارا ہر اہانت ہے قبول
کیا کریں یارا اے ترکِ شوق ہی جاتا رہا

ہمکو اظہرؔ ان کے سب جور و ستم منظور ہیں
بس یہ غم ہے ظلم کا احساس بھی جاتا رہا

(خیرپور)

ہم ہیں اور کشمکش سود و زیاں ہے یارو
ان کے دیدار کی فرصت ہی کہاں ہے یارو

ہر طرف جلوۂ خوبانِ جہاں ہے یارو
ہر قدم ایک قیامت کا سماں ہے یارو

تلخیٔ عشق میں پوشیدہ ہے تلخابۂ زیست
میرا افسانہ حدیث دگراں ہے یارو

کیوں نمایاں نہ ہو آنکھوں سے مرے شدتِ غم
دیدہ و دل میں تو اک ربطِ نہاں ہے یارو

ہو گئی آنکھوں ہی آنکھوں میں شبِ غم کی سحر
اُن کو اس بات کا احساس کہاں ہے یارو

ہم کو طوفان حوادث سے نہیں کوئی خطر
ہم ہیں اور شدتِ آلام جہاں ہے یارو

(خیرپور)

جب سے دیکھا ہے انہیں اس وقت سے دیوانہ ہوں
کاروبارِ عاشقی میں کس قدر فرزانہ ہوں

اک زمانے سے اسیرِ کاکلِ باغانہ ہوں
پہلے بھی دیوانہ تھا اور آج بھی دیوانہ ہوں

دھوم ہے میری دنیا کی رہروانِ شوق میں
خالقِ غم ہوں شہیدِ نرگسِ مستانہ ہوں

میری قسمت میں ہے ساقی کے لبوں کی چاشنی
میکدہ میں یوں تو اک ٹوٹا ہوا پیمانہ ہوں

اب تو مجھ سے بھی یاد مہ وشاں آتی نہیں
جس میں کوئی بت نہیں موجود وہ بت خانہ ہوں

مر مٹوں گا لیکن آئیگا نہ لب پہ حرفِ شوق
شمع کا سودائی ہوں خاکسترِ پروانہ ہوں

شاہکارِ حسنِ یزداں ہیں لب و رخسارِ دوست
اور میں ہر شاہکارِ حسن کا دیوانہ ہوں

رات دن ان کا تصور روز و شب اُن کا خیال
گردشِ شام و سحر سے آجکل بیگانہ ہوں

مجھ کو اظہرؔ تشنہ کامی کا نہیں کوئی گلہ
میں ہمیشہ سے امینِ جرأتِ رندانہ ہوں

(خیرپور)

زندگی میں کچھ نہیں ان کی محبت کے سوا
اک مسلسل غم مسلسل رنجِ زحمت کے سوا

اعترافِ عشق و اظہارِ محبت کے سوا
میری ہستی کچھ نہیں ان کی عنایات کے سوا

ان کو مل سکتا نہیں ڈھونڈے سے بھی اک جاں نثار
مجھ سا پابندِ وفا مجبورِ الفت کے سوا

لاکھ اُن پر جان چھڑکیں اور نچھاور دل کریں
کچھ بھی قسمت میں نہیں غم کی آفت کے سوا

دین و ایماں آپ کے، دل آپ کا جاں آپ کی
ہم کسے اپنا کہیں دردِ محبت کے سوا

آپ اگرچہ ہیں پری جبیں ہوں میں بے نوا پر تو ہوں
آپ سے ہم کو ملا کیا رنج و نکبت کے سوا

باتوں ہی باتوں میں رہتا ہے بیانِ دردِ دل
قصۂ غم کچھ نہیں حرف و حکایت کے سوا

بزمِ جاناں میں گئے تھے ہم بڑی اُمید سے
کچھ نہ ہاتھ آیا رقیبوں کی عداوت کے سوا

آپ اس سے پوچھتے کیوں ہیں مرے احوال کو
غیر کے دل میں ہے کیا رشک و رقابت کے سوا

یہ بھی وجہ سرگرانی ہے تو پھر مجبور ہوں!
میرے لب پر کچھ نہیں شکوہ شکایت کے سوا

دہر میں اظہر کسی شے کو نہیں حاصل ثبات
اک حماقت خیز، غم آمیز الفت کے سوا،

(خیرپور)

حسن بھی مجبور ہے اور عشق بھی ناکام ہے

پھر بھی افسانۂ محبت کا قبول عام ہے

یادِ یار مہرباں ہے اور صبح و شام ہے

ورنہ دنیائے وفا اک محشرِ آلام ہے

روبروئے دوست کہہ دیتا ہوں اپنے دل کی بات

اعتراف عشق بھی منجملۂ الہام ہے۔

مطمئن ہیں شادمانِ شوق ہر ماحول میں

التفات چشم ساقی تو برائے نام ہے۔

ان کو رعبِ حسن سے کہتا نہیں قائل کوئی ر

مفت میں پیر فلک مشہور ہے بدنام ہے

عشق رسوا کی تمہیں منظور ساری لغزشیں

آپ کا جورِ مسلسل بھی تو طشت از بام ہے

گاہے گاہے یاد کر لیتے ہیں اہلِ دل کو ہم

اس سے زائد کی تمنا اک خیال خام ہے

قلب اظہر عشق پرور ہے کسی کا عشق ہو

سننے والے شوق سے سن لیں صلائے عام ہے

(خیرپور)

دل نہیں خائف نوید گردشِ ایام سے
شوکتِ بزمِ وفا ہے شدتِ آلام سے

گلعذاروں، گل رخوں کی یاد تک باقی نہیں
کس کو فرصت ہے فریبِ ساقیِ گلفام سے

بے پئے ہی مست ہیں، مسحور ہیں، مخمور ہیں
بادہ خواروں کو ہے نسبت بادۂ بے نام سے

دل میں یادِ یار ہے آنکھوں میں ہے تصویرِ یار
زندگی کٹتی ہے اپنی جس میں بے آرام سے

ہم نے دل دے کر تمہیں دلدارِ عالم کر دیا
ساری قدر و منزلت ہے عاشقِ بدنام سے

کچھ شکست دل پتہ دیتی ہے قربِ دوست کا
کچھ پتہ ملتا ہے آوازِ شکستِ جام سے

کیا کسی مجبورِ الفت کا ستاتا ہے خیال
آپ کے چہرے کی رنگت اڑ گئی کیوں پیغام سے

اب کریں گے ہم نہ محفل میں کبھی ذکرِ وفا
باز آئے دوستوں کے طعنۂ دشنام سے

شکوہ بے چاریتوں کے لئے مخصوص ہے
دامنِ اظہر نہیں آلودہ اس الزام سے

(خیرپور)

تذکرے جور و جفا کے عام ہوتے جائیں گے
ہم تو ہم ہیں آپ بھی بدنام ہوتے جائیں گے

جب ہمارا نام لیں گے لوگ راہِ شوق میں
معرکے اُلفت کے سر انجام ہوتے جائیں گے

آپ کو اللہ دے کچھ اور توفیقِ ستم - !!
ہم حریفِ گردشِ ایام ہوتے جائیں گے

لاکھ تم قدغن لگاؤ جذبۂ اظہار پر
دل کی بربادی کے چرچے عام ہوتے جائیں گے

خونِ ناحق سات پردوں میں بھی چھپ سکتا نہیں
ظلم کرتے جائیں گے بدنام ہوتے جائیں گے

ہم کو مرگِ عشق کا اظہر نہ ہو گا غم مگر
ان کے سر الزام ہی الزام ہوتے جائیں گے

(خیرپور)

حسن ہی حسن ہے جس سمت بھی اٹھتی ہے نظر
رہرو راہِ وفا کو ہو مبارک یہ سفر

ہم کو تسلیم کہ اٹھی تھی تری سمت نظر
یہ بھی گر وجہِ شکایت ہے تو سر آنکھوں پر

ایک لمحہ کو بھی تسکینِ دل و جاں نہ ملی
کر دیا گردشِ افلاک نے جینا دوبھر

ان کے ماتھے پہ پسینہ ہے، ستم پر ہیں خجل
کوئی دیکھے مری نظروں سے یہ دلکش منظر

آشیاں برق کی زد پر ہے تو ہونے دیجئے
ہم نے دیکھے ہیں یہ دلچسپ نظارے اکثر

برق کا خوف ہے ہم کو نہ خزاں کا خطرہ
غم کے محلوں میں کہاں خوف و خطر کا چکر

ہائے کیا چیز ہے یہ ترک و طلب کا عالم
زندگی ہو گئی دامانِ تمنا میں بسر

کیوں سرفرازیٔ منزل پہ ہمیں کوستے ہو
ہم کہ ٹھہرے بھی نہیں راہِ وفا میں دم بھر

آپ نیرنگیٔ محفل کو چھپاتے کیوں ہیں
ہم سے بیگانۂ عالم کو بھی ہے اس کی خبر

اس پہ مرتا ہوں جو تا حشر نہ ہوگا اپنا
ہاں وہی گل رخ و گل رنگ حریفِ گلِ تر

تو مرے اشکِ محبت پہ ہے ناحق برہم
اپنی قسمت میں تو لکھے ہیں یہی لعل و گہر

گردشِ وقت نے ہر چند ستا رکھا ہے
پھر بھی جیتا ہوں کہ ہر رات کی ہوتی ہے سحر

حسرتؔ و فانیؔ و سیمابؔ و جگرؔ و درد و سلیمؔ
اپنے استادوں کا احسان ہے دلِ اظہرؔ پر

موت سے بدتر ہے مجھ کو زندگی تیرے بغیر
حادثوں سے ہو گئی ہے دوستی تیرے بغیر

اب کہاں صبر و قرار زندگی تیرے بغیر
یہ جوانی، یہ شباب دوستی تیرے بغیر

بھول بیٹھے رسم و راہِ عاشقی تیرے بغیر
اہلِ دل کی ہائے یہ بے مائگی تیرے بغیر

یہ تصور کے گھروندے یہ خیالوں کے محل
ہو رہی ہے ان سے اب وابستگی تیرے بغیر

کس کا شکوہ کیجئے، کس کی شکایت کیجئے
دوست بھی کرنے لگے ہیں دشمنی تیرے بغیر

تیرے دم سے دوست بھی تھے ہمدم و دمساز بھی
ہائے یہ ماحول کی بیگانگی تیرے بغیر

دشمنوں کے تیر و نشتر دوستوں کے قہقہے
ہو گئے اپنے لئے سب اجنبی تیرے بغیر

بے قراری بن گئی، وجہ قرارِ زندگی
مِل گیا دل کو سکونِ دائمی تیرے بغیر

اب جیوں کس کے لئے، زندہ رہوں کس کیلئے
ہے قیامت دو گھڑی کی زندگی تیرے بغیر

انجمن در انجمن چرچا ہے تیرے حسن کا
عشق پر ہے تہمت آوارگی تیرے بغیر

اب برنگ شعر ہے اظہرؔ بیان دردِ دل
کس قدر دلکش ہے شغل شاعری تیرے بغیر

(خیر پور)

آپ پر قابو نہیں، قبضہ میں اپنے دل نہیں
ہم وہ رہرو ہیں کہ جنکی کوئی بھی منزل نہیں

ہر نفس سیلِ حوادث، ہر گھڑی طوفانِ غم
اہلِ دل کو فرصتِ نظارہ ساحل نہیں

ہائے وہ رنگین لمحے، ابتدائے شوق کے
اب کبھی صورت، کبھی عالم قرارِ دل نہیں

ہم وہی ہیں اور وہی ہیں دھڑکنیں دل کی مگر
ہاں مگر اب التفاتِ خاص کے قابل نہیں

تم ہی بتلاؤ کدھر جائیں پرستارانِ غم
اب کوئی رہبر نہیں ہے اب کوئی منزل نہیں

وہ تو کہیئے تیری یادوں کا سہارا مل گیا
ورنہ اتنی دلنشیں دنیائے آب و گل نہیں

اُن کو ناحق ہو رہی ہے خواہشِ ترکِ ستم
دوستی مشکل ہے لیکن دشمنی مشکل نہیں

خندۂ گل بھی وہی شورِ عنادل بھی وہی
بے نتیجہ التجاؤں کا کوئی حاصل نہیں

یوں تو ہے رنگین بے حد داستانِ حُسن و حبت
اس میں لیکن سرخیِ خونِ تمنا شامل نہیں

دوستوں کی بزم ہو یا حلقۂ اغیار ہو
دل کسی لمحہ تمہاری یاد سے غافل نہیں

ہستیِ اظہر ہے اور ہنگامۂ جبر و طلب
اور اس پر یہ ستم قابو میں اپنے دل نہیں

(خیرپور)

تیری ہر خواہش کو نظرِ بے رُخی کرتے رہے
زندگی بھر وہ رقیبوں کی خوشی کرتے رہے

دوستی کا نام لے کر دشمنی کرتے رہے
وہ خلوصِ عشق کی توہین ہی کرتے رہے

ہائے ان پروردگارانِ وفا کی زندگی
جو ہمیشہ اعتبارِ دوستی کرتے رہے

جب کبھی فرصت ملی ہنگامۂ آلام سے
زندگی کو مبتلائے میکشی کرتے رہے

جیسے جیسے اضطرابِ آرزو بڑھتا رہا
ویسے ویسے وہ توجہ میں کمی کرتے رہے

کوئی دیکھے تو ذرا اہلِ وفا کے حوصلے
زندگی بھر اُن کے غم کی دلدہی کرتے رہے

ہر نفس توہینِ غم تھا ہر گھڑی توہینِ عشق
اہلِ دل اس پر بھی پاسِ عاشقی کرتے رہے

تم نے پیمانِ وفا توڑا بڑے دھوکے دیئے
اور ہم ہر بات کی تاویل ہی کرتے رہے

اُن کا اظہارِ کرم بھی تھا عجب انداز کا
نام بھی لیتے رہے، بدنام بھی کرتے رہے

یوں تو راہِ آرزو میں تھا رقیبوں کا ہجوم
تیری خاطر ہم سبھی سے دوستی کرتے رہے

اک طرف بہتا رہا اربابِ اُلفت کا لہو
اک طرف وہ ذکرِ امن و آشتی کرتے رہے

اس سے بڑھ کر ہو گا کیا اظہر ثبوتِ دوستی
مبتلائے غم رہے ان کی خوشی کرتے رہے

(خیرپور)

مسکراتے جائیں گے، آنسو بہاتے جائینگے
داستانِ آرزو ان کو سُناتے جائیں گے

آرزوؤں کی نئی دنیا بساتے جائیں گے
ہم غمِ دوراں کو بھی اپنا بناتے جائینگے

ان کو بھی لازم ہے کچھ اربابِ محفل کا خیال
ہم کہاں تک رنجِ محرومی چھپاتے جائینگے

وہ اگر نکلے کبھی سیرِ چمن کے واسطے
ہر قدم پر اِک نیا فتنہ جگاتے جائینگے

اُن کا اظہارِ وفا بھی ہے بہ اندازِ جفا
مسکراتے جائیں گے بجلی گراتے جائینگے

ہم دکھائیں گے انہیں اہلِ وفا کے حوصلے
شدتِ آلام میں بھی مُسکراتے جائینگے

دوستوں کا جمگھٹا ہو یا رقیبوں کا ہجوم
حالِ دل آنکھوں ہی آنکھوں میں بتاتے جائینگے

دوستی کب تک رہے گی حادثاتِ دہر سے
ان کے غم کو بھی رفیقِ دل بناتے جائینگے

رحم ان کو آئے گا جن کو ہے پاسِ دوستی
جو ستانا چاہتے ہیں وہ ستاتے جائینگے

نالۂ بے نام، آہِ نارسا، رنجِ فراق
اپنی بزمِ آرزو یونہی سجاتے جائینگے

ان کا غم، ان کا تصور، ان کی یادِ دلنشیں
ہم یونہی دنیا محبت کی بناتے جائینگے

ہو گا کیا آخر ہمیشہ امتحانِ صبر و ضبط
کیا یونہی وہ اہلِ دل کو آزماتے جائینگے

خیرپور

ہم کسی کے التفاتِ خاص کے قابل کہاں
التفاتِ خاص ہے وقفِ نصیبِ دشمناں

ہو رہا ہے نذرِ آتش کیوں گلستانِ جہاں
ہم سے پوچھو ہم بتائیں گے حدودِ آشیاں

دل کی کشتی نذرِ امواجِ حوادث ہی رہی
رنگ لاتی ہی رہیں اُن کی ستم آرائیاں

شب کا سناٹا ہے، میں ہوں اور یادِ یار ہے
قابلِ رشکِ دو عالم ہیں مری تنہائیاں

طبعِ آوارہ کو دھن ہے اہتمامِ شوق کی
ورنہ یہ دل اور اس پر آرزوئے مہوشاں

ایک آہِ نارسا اِک آرزوئے ناتمام
اور کیا اس کے سوا ہوگی ہماری داستاں

جان و دل دے کر بھی ہیں ناآشنائے التفات
مٹ نہیں سکتا کسی صورت بھی فرقِ این و آں

آہ کر سکتے نہیں، آنسو بہا سکتے نہیں
کیا بتائیں عشقِ ناہنجار کی پابندیاں

میں نے اظہرؔ زندگی میں اتنے کھائے ہیں فریب
بن گیا ہے اب انیسِ دل خلوصِ دشمناں

(خیرپور)

التفاتِ یار اِک امیدِ لاحاصل سہی
ہاں مگر اس کے سہارے کٹ رہی ہے زندگی

آسماں پر یوں ستارے بھی ہیں اور مہتاب بھی
ہاں مگر سب سے سوا ہے تیرے غم کی روشنی

یوں تو تھی یلغار دل پر حادثاتِ دہر کی
اُن پہ مرمٹنے کی پھر بھی آرزو باقی رہی

وہ نہ آئے تھے، نہ آتے ہیں نہ آئینگے کبھی
عمر بھر ہوتا رہے گا امتحانِ دل یونہی

ہے ازل سے تا ابد فرماں روائی عشق کی
حُسن نے تو مفت میں پائی حیاتِ دائمی

آرزوئیں دل کی دل ہی میں ہیں خلوت نشیں
شوقِ بے حد نے سلامِ شوق کی مہلت نہ دی

گل بھی وارفتہ طبیعت دل بھی وارفتہ مزاج
کس قدر پھیلا ہوا ہے کاروبارِ عاشقی

ہر گھڑی، ہر وقت رہتا ہے تمہارا انتظار
یہ بھی عالم انتہائے شوق کا ہے دیدنی

عہد و پیماں سب غلط، نامعتبر وعدے تمام
اب خدا کے واسطے چھیڑو نہ ذکرِ دوستی

ہر گلی کوچے میں اب ہوتا ہے اپنا تذکرہ
کتنی عبرتناک ہے اظہرؔ سزائے عاشقی

(خیرپور)

نامراد شوق بھی ہے شادکامِ انتظار
کس قدر میٹھا ہے دردِ ناتمامِ انتظار

صبحِ محشر کا کوئی مدِ مقابل بھی تو ہو
اب سمجھ میں آگیا مفہومِ شامِ انتظار

ایک لمحے کو بھی مہلت یادِ جاناں نے نہ دی
اللہ اللہ اس قدر نظم و نظامِ انتظار

اُن کے ہونٹوں کا تصور ان کی آنکھوں کا خیال
دل ہے اور آٹھوں پہر ہے اہتمامِ انتظار

شوق بے پروا وہی جورِ ستم پرور وہی
کوئی بھی لیتا نہیں دنیا میں نامِ انتظار

میں سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مل گئی دادِ وفا
آپ کے دستِ حنائی میں ہے جامِ انتظار

حُسن ہو یا عشق دونوں ہیں اسیرِ اضطراب
اللہ اللہ جلوہ ماہِ تمامِ انتظار

جان و دل بھی ان پہ صدقے دین ایماں بھی نثار
کس سلیقے سے ہوا ہے انتظامِ انتظار

آنکھ سے اشکوں کی بارش لب پہ آہوں کا ہجوم
یوں بھی ہوتا ہے مری جاں اہتمامِ انتظار

جل رہے ہیں بزم میں ہر سو امیدوں کے چراغ
التفاتِ یار ہے بالائے بامِ انتظار

زندگی کٹتی ہے شعروں کے سہارے آجکل
رات دن اظہر کے لب پر ہے کلامِ انتظار

(خیرپور)

غم کو بھی وجہِ قرارِ جسم و جاں سمجھا کیے
تا حدِ امکاں فریبِ دوستی کھایا کیے

دشمنوں کے ہاتھ پیمانِ وفا بھیجا کیے
وہ غریبِ عشق پر یوں بھی ستم ڈھایا کیے

اِک وفا دشمن سے پیمانِ وفا باندھا کیے
ہم نے خود ہی رنج و غم کے راستے پیدا کیے

عشق خود رفتہ اسیرِ زُلفِ پیچاں بن رہا
وہ جوازِ ظلم و جورِ ناروا ڈھونڈھا کیے

انتہائے عشق ہو یا انتہائے رنج ہو
وہ ہر اِک عالم میں اہلِ دل کو تڑپایا کیے

زندگی بھر ماہیِ بے آب کی صورت جیے
ابتدائے آرزو کی انتہا دیکھا کیے

وہ رقیبوں سے رہے ہنس ہنس کے محوِ گفتگو
اور ہم اِک مسکراہٹ کے لیے ترسا کیے

وہ اب آئینگے، اب آنے والے ہیں اب آتے ہیں
جی کو ہم جھوٹے دلاسے دے کے بہلایا کیے

ایک بھی لمحہ نہ گذرا رنجِ فرقت کے بغیر
عمر بھر اپنی وفاؤں کا صلہ پایا کیے

وہ تھے، بزمِ غیر تھی اور اہتمامِ نا و نوش
یہ سماں دیکھا نہ جاتا تھا مگر دیکھا کیے

وہ بناتے ہی رہے نقشِ و نگارِ آرزو
اور ہم ان کی خوشی کے واسطے تڑپا کیے

وعدہ کر کے بھی نہ آیا ان کو وعدے کا خیال
اور ہم اُن کی محبت کی قسم کھایا کیے

دل نے آخر کر دیا مجبور اے اظہر ہمیں
لاکھ ہم اِس کاروبارِ غم سے کترایا کیے

(خیرپور)

کسی کی جلوہ گاہ ناز ہے جشنِ نگاراں ہے
مگر یہ ناز و تمکیں بھی بنامِ دلِ فگاراں ہے

یہ نخرے، یہ غرور و تمکنت یہ ناز یہ شوخی
ہمارے دم قدم سے رونقِ شہرِ نگاراں ہے

کوئی دیکھے مری نظروں سے رنگینی گلستاں کی
کہ تا حدِ نظر عکسِ جمالِ گلعذاراں ہے

گزر جاتی ہے مانندِ صبا بادِ حوادث بھی
کہ اب خود مرہم زخمِ محبت یادِ یاراں ہے

نہ مال و زر میسر ہے نہ حاصل شوکت و شہرت
مگر محفل میں پھر بھی احترامِ مے گساراں ہے

انہیں لطف و کرم کی ہو رہی ہے کس لیے خواہش
قرارِ غم ہی اب مال و متاعِ بے قراراں ہے

حوادث میں بھی ہم کو وہ وقارِ آدمیت ہیں
خزاں میں بھی بہ اُمید اور فصلِ بہاراں ہے

ابھی نظارۂ منزل کی فرصت ہی نہیں دل کو
ابھی تو ہر قدم پر التفاتِ برق و باراں ہے

بفیضِ عشق عمرِ خضر حاصل ہے ہمیں اظہرؔ
کہ قیدِ وقت سے آزاد عہدِ غم گساراں ہے

(خیرپور)

تا حدِ شوق ہے، حدِ سود و زیاں نہ پوچھ
اے دوست مجھ سے یہ کرمِ این و آں نہ پوچھ
کہنے کو یوں تو جرأتِ اظہارِ غم بھی ہے
لیکن رئیسؔ، عشق کی مجبوریاں نہ پوچھ
اک جام مے پہ تلخیٔ عالم نثار ہے!
کتنی حسیں ہے محفلِ بادہ کشاں نہ پوچھ
ہر چند احتسابِ رقیباں ہے ان دنوں
پھر بھی نگاہِ ناز کی دلداریاں نہ پوچھ
ان کا کرم ہے لائقِ تعزیر ہوں جو میں
کیا کیا ہوئی ہیں عشق میں کوتاہیاں نہ پوچھ
نیرنگیٔ زمانہ بھی اظہرؔ عجیب ہے،
لیکن مزاجِ یار کی نیرنگیاں نہ پوچھ

(خیرپور)

دید کا ارماں تھا اور دیدار اُن کا ہوگیا
زندگی بھر کے مصائب کا مداوا ہوگیا

ان کے جلووں میں سحر کو ڈھونڈنے سے فائدہ
کیفِ غم خود تلخیٔ شب کا مداوا ہوگیا

اب تو غم سے بھی نہیں ہوتی ہے تسکینِ حیات
ہائے یہ دل اور اتنا بے سہارا ہوگیا

شب کے سناٹے میں آتی دلنشیں تھی یادِ دوست
کشتگانِ غم نے یہ سمجھا سویرا ہوگیا

اب تمہیں کیا کام کعبہ میں ہوں یا دیر میں
تم سے تو مال و متاعِ غم کا سودا ہوگیا

اے نگاہِ ناز اب کچھ اور اندازِ ستم
حادثوں سے تو سرورِ عشق دونا ہوگیا

لوگ میرا نام لے کر یاد کرتے ہیں اسے
ہم کو رسوا کرنے والا خود بھی رسوا ہوگیا

گو میں رسوائے زمانہ ہوں مگر اس بزم میں
ذکر میرا جب بھی آیا سُرخ چہرا ہوگیا

عہدِ غم کو بھول جانا کھیل ہے اظہرؔ کوئی
ہاں مگر رونے سے دل کا بوجھ ہلکا ہوگیا

(دوھری)

وہ دل والوں کو اپنی بزم کے قابل سمجھتا ہے
اور اس کے دل میں جو کچھ ہے ہر اہلِ دل سمجھتا ہے

حصولِ منزلِ مقصد کو لاحاصل سمجھتا ہے
سمجھتا ہے تو یہ واماندۂ منزل سمجھتا ہے

جو گردابِ بلا کو پیار کے قابل سمجھتا ہے
وہ طوفاں آشنا بے کیفیٔ ساحل سمجھتا ہے

بغیرِ حسن ہے اندھیر جس کو محفلِ ہستی
وہ شاید تمہارے خندۂ قاتل سمجھتا ہے

کرم بھی ہے بہ اندازِ ستم یہ کیا قیامت ہے
اور اس پر جو انہیں تزئینِ جان و دل سمجھتا ہے

بڑا معصوم ہے وہ رہروِ راہِ تمنا بھی
جو رہزن کو ابھی تک رہبرِ منزل سمجھتا ہے

ہمیں تو بے گناہی آپ کی تسلیم ہے اب بھی
مگر سارا زمانہ آپ کو قاتل سمجھتا ہے

قیامت ہے، وہی نا واقفِ لطف و کرم ٹھہرے
جو تیری آرزو کو زیست کا حاصل سمجھتا ہے

اُدھر وہ ہیں کہ فرصت ہی نہیں ان کو جفاؤں سے
اِدھر دل ہے کہ ان کو شاہدِ کامل سمجھتا ہے

مروت میں نہ ہو ان سے شکایت یہ تو ممکن ہے
مگر میکش مزاجِ ساقیٔ محفل سمجھتا ہے

رقیبوں میں روابط ایک امرِ واقعہ جانو
کہ جاہل کی طبیعت کو فقط جاہل سمجھتا ہے

میں اکثر اس کے عزم و حوصلہ پر شک کرتا ہوں
جو ان کو حلقۂ احباب میں شامل سمجھتا ہے

خلوصِ دل کے آگے ہیچ ہیں کوہ و بیاباں بھی
یہ اظہر ہے جو قربِ دوست کو مشکل سمجھتا ہے

(نواب شاہ)

رسوائے زمانہ مری بے بال و پری ہے
تیری ہی خوشی شامل حالات رہی ہے

جس سمت بھی اُٹھتی ہے نظر آگ لگی ہے
لیکن ترا انداز ستم اب بھی وہی ہے

ہمدرد کوئی اب ہے، نہ ہمراز کوئی ہے
اس طرح بھی اب زیست بسر ہونے لگی ہے

اظہارِ محبت کی اجازت تو عطا ہو
مضموں بھی اچھوتا ہے حکایت بھی نئی ہے

ہے قابلِ نظارہ پریشانیٔ خوباں
ہر آہ غمِ دہر کے سانچے میں ڈھلی ہے

اب جور و جفا بھی ہے بہ اندازِ ندامت
شاید ترے ہونٹوں پہ ہنسی کھیل رہی ہے

دعویٰ تو محبت کا ہے ہر شخص کو لیکن
شائستہ آدابِ محبت بھی کوئی ہے

تصویرِ جہاں ہے کہ مکمل نہیں ہوتی
گو حادثۂ دہر کی رفتار وہی ہے

مسرور ہے نیرنگیٔ احوال پہ اظہر
دنیا کی خوشی جو ہے وہی دل کی خوشی ہے

(سکھر)

محبت اور بغیر بدگمانی کیا قیامت ہے
ہمیں تو اپنے اس بے حوصلہ دل سے شکایت ہے

یہ سب ان کا کرم بے مہربانی ہے، عنایت ہے
ہماری زیست جواب تک حوادث سے عبارت ہے

اگر غم ہی مقدر ہے تو باز آیا محبت سے
مگر ترکِ محبت بھی تو توہینِ محبت ہے

محبت اور مصائب لازم و ملزوم ہیں دونوں
انہیں پھر کس لئے اپنی جفاؤں پر ندامت ہے

ہمیں ہر وقت تم دار و رسن سے کیا ڈراتے ہو
ہماری بھی غمِ دوراں سے کچھ صاحب سلامت ہے

زمانہ چین سے رہنے نہیں دیتا کسی صورت
مآلِ دوستی بھی کینہ و بغض و عداوت ہے

چلو ہم بھی بدل دیں آج سے طرزِ وفاکیشی
کہ اب مکر و ریا ہم رتبۂ مہر و محبت ہے، !

مرے دل میں محبت کے علاوہ کچھ نہیں اظہر
اگر احباب کو مجھ سے شکایت ہے تو حیرت ہے

(سکھر)

ہر سمت غمِ زیست کی دیوار کھڑی ہے
لیکن ترے غمخوار کی ہمت بھی بڑی ہے

ہر ساعتِ غم ایک قیامت کی گھڑی ہے
اس پر بھی انہیں گرمیٔ محفل کی پڑی ہے

اشکوں کی روانی ہے کہ ساون کی جھڑی ہے
اب وہ نگہ ناز بھی الجھن میں پڑی ہے

کہنے کو تو دل پر نئی افتاد پڑی ہے
یہ عشق ہے اور عشق میں راحت بھی بڑی ہے

گو ہم کو غمِ عشق سے نسبت ہے خصوصی
لیکن غمِ دوراں کی مصیبت جو کھڑی ہے

ہم مجرمِ غم بھی ہیں، سزاوارِ ستم بھی
لیکن تری آنکھوں میں مروت بھی بڑی ہے

اربابِ وفا ہیں کہ ہر اک حال میں خوش ہیں
گو راہِ وفا راہِ فنا سے بھی کڑی ہے

کیا غم ہے اگر غم کے سزاوار ہمیں ہیں
انسان کی ہستی بھی فرشتوں سے بڑی ہے

فرصت ہو تو اظہار کریں اُس بت سے محبت
اُس بزم میں ناقدریٔ اوقات بڑی ہے

(سکھر)

زندگی میں کوئی اپنے کام آ سکتا نہیں
ایک وہ ہیں اُن کو بھی اپنا بنا سکتا نہیں

میں ہوں اور آٹھوں پہر ترکِ طلب کے مرحلے
آگ سی دل میں لگی ہے اور بجھا سکتا نہیں

کب تک آخر اپنی نظروں سے امڈے ابرِ غم
میں یہ طوفانِ الم دل میں چھپا سکتا نہیں

یوں تو ہیں شل صبا نازک امیدوں کے محل
یہ محل تعمیر کر سکتا ہوں ڈھا سکتا نہیں

اس سے پوچھو یادِ جاناں کی ستم آرائیاں
باوجودِ عزم جو اس کو بھلا سکتا نہیں

ان کو یہ ضد ہے کہ ہو اظہارِ غم اک بار پھر
اور میں سوئے ہوئے فتنے جگا سکتا نہیں

کچھ تو ہونا چاہیئے تقریب ملنے کے لئے
میں فقط غیروں کو رازِ دل سنا سکتا نہیں

آپ کی مرضی حریمِ شوق میں آئیں نہ آپ
میں ہنسی اپنے ارادوں کی اڑا سکتا نہیں

دوستو یہ تو بتاؤ زندگی کیسے کٹے - ؟
اُن کو پا سکتا نہیں، خود کو مٹا سکتا نہیں

چھین لی ساری خوشی نیرنگیٔ ماحول نے
اُن کے کہنے سے بھی اظہر مسکرا سکتا نہیں

(سکھر)

جو راہ رو بھی رہِ عشق میں ملا ہم سے
تمہارے ظلم کا افسانہ ہی کہا ہم سے

ہزار جرم سہی تذکرہ محبت کا
مگر یہ جرم تو دانستہ ہو گیا ہم سے

خلافِ طبع خوشامد نہ کر سکے ان کی
مزاجِ دوست کبھی خوش نہ ہو سکا ہم سے

نہ انتظارِ شبِ غم، نہ شکرِ جور و ستم
خلوصِ عشق کا بازار گرم تھا ہم سے

بلا سے اُن کی نگاہوں میں ہیں ذلیل و حقیر
غرورِ حُسن کو سجدہ نہ ہو سکا ہم سے

کبھی بھی مصلحتِ وقت سے غرض نہ رکھی
جہاں میں آج بھی ہے شوکتِ وفا ہم سے

ہمیں سے محفل و دار و رسن میں ہے رونق
ہے اب بھی طوق و سلاسل کا سلسلہ ہم سے

جو زندگی کی تمنا ہے موت کو مانگو
یہ راز کہہ گیا اک رندِ پارسا ہم سے

کبھی بھی ساحلِ اُمید کی تلاش نہ کی
مگر خلاف رہا پھر بھی ناخُدا ہم سے

نگاہ و دل پہ بھی قدغن، خیال و فکر بھی قید
ہوئی ہے ایسی بھلا کون سی خطا ہم سے

نہ فصلِ گل ہی مقدر میں ہے نہ عہدِ طرب
وہ کیا خفا ہیں، زمانہ بھی ہے خفا ہم سے

ہمارے دم سے ہے اظہرؔ وقارِ نقد و نظر
ملا زمانہ کو جینے کا حوصلہ ہم سے

(سکھر)

ان کا وعدہ بھی اک بہانہ ہے
زندگی بھر فریب کھانا ہے
قصۂ غم انہیں سنانا ہے
حوصلہ دل کا آزمانا ہے
اُن کے جلووں کا تذکرہ کیجئے
زندگی کو حسیں بنانا ہے
اس ستمگر سے ہے اُمید کرم
ہمت دل کا کیا ٹھکانا ہے
کیا کریں اپنی وضع داری کو
چوٹ کھا کر بھی مسکرانا ہے
غم ملے اور بقدر ہمت شوق
یہ تو غم کی ہنسی اُڑانا ہے
عشق بھی اب ہے جرم کی حد میں
کتنا بے رحم یہ زمانا ہے
ہم تمہارے ہیں تم ہمارے ہو
باقی جو کچھ بھی ہے فسانا ہے
کس قدر خوش ہیں یہ چمن والے
برق کی زد پہ آشیانا ہے
ہم کو اظہرؔ ہے جستجو اپنی
اُن سے ملنا تو اک بہانہ ہے

(شکارپور)

حُسن جس دن راغبِ لطف و عطا ہو جائیگا
عشق کو بھی عرضِ غم کا حوصلہ ہو جائیگا

موم کر دیتا ہے پتھر کو گدازِ آرزو
ان کو بھی اک روز احساسِ وفا ہو جائیگا

مسکرا کر آپ دیکھیں گے اگر دل کی طرف
حادثوں سے کھیلنے کا حوصلہ ہو جائیگا

جان دینے سے بھی قربِ دوست مل سکتا نہیں
ہاں مگر ذکرِ محبت برملا ہو جائیگا

اک ذرا ماحول کو ہونے تو دیجئے سازگار
تذکرہ ان کے ستم کا برملا ہو جائیگا

تابکے حائل رہیں گے اتفاقاتِ جہاں
اک نہ اک دن میرا ان کا سامنا ہو جائیگا

آپ کو رہتا ہے اربابِ محبت کا خیال
اک نہ اک دن ہم کو اس کا بھی پتا ہو جائیگا

آپ سے دل کا لگانا بے نتیجہ ہی نہیں
ہاں مگر کچھ دوستی کا حق ادا ہو جائیگا

ان کی منظر میں حشر ساماں بھی نویدِ شوق بھی
اس کشاکش میں تو اپنا خاتمہ ہو جائیگا

حُسن جس دن بھول جائے گا جفاؤں کا چلن
عشق کو اس دن وفاؤں سے گلہ ہو جائیگا

بے بلائے آپ کی محفل میں آ سکتا ہوں میں
ہاں اگر احساسِ خودداری فنا ہو جائیگا

اس طرح نکلیں نہ وہ سیرِ چمن کے واسطے
حشر سا اک کوئے جاناں میں بپا ہو جائیگا

کیا خبر تھی ہم کو اے اظہر کہ شہرِ حُسن میں
اعترافِ غم بھی جرمِ ناروا ہو جائیگا

(جیکب آباد)

زندگی بے کیفیوں میں کھو گئی ہے آجکل
سازِ دل اور سوزِ غم میں دشمنی ہے آجکل

کوئی بھی محفل میں رندوں پر نہیں کرتا نظر
اس قدر رسوا مذاقِ میکشی ہے آجکل

قصۂ ماضی ہے سب افسانۂ ناز و نیاز
خندۂ گل بھی چمن میں اجنبی ہے آجکل

منتظر ہیں اب تو اہلِ دل قیامت کیلئے
قیدِ ہستی جان لیوا ہو گئی ہے آجکل

حبس اتنا ہے کہ کھل کر سانس لے سکتے نہیں
پھول سے چہرہ پہ بھی پژمردگی ہے آجکل

ایک جرمِ غم ہیں اس درجہ ہجومِ التفات
کیا کہیں دل کی لگی بھی دل لگی ہے آجکل

اب تو گلشن میں عنادل ہی نے رکھنے دوستی
اس نے گل سے بوئے گل بھی چھین لی ہے آجکل

ناموافق ہے فضا، ناآشنا ماحول ہے
زندگی اتنی پرائی ہو گئی ہے آج کل

آشیاں اجڑا ہے شاخِ آشیاں اجڑی ہوئی
کون کہتا ہے توجہ میں کمی ہے آجکل

دیکھئے ان کو تو چہرہ سرخ آنکھیں شعلہ بار
بزم میں کس کو مجالِ گفتنی ہے آجکل

اہلِ دل کا عزم اظہارِ حقیقت ہو ضرور
اور حقیقت ظلمتوں میں کھو گئی ہے آجکل

تم کو اظہر شکوۂ بے مہریِ احباب کیوں
دوستی بھی اب برائے دشمنی ہے آجکل

(لاڑکانہ)

جا رہے ہیں بے محابا صاحبِ محفل کے پاس — تحفۂ اخلاص بے پایاں ہے اہلِ دل کے پاس

کیا بتائیں کیا ہے جذبِ سعیِ لاحاصل کے پاس — حسن کی منزل بھی نکلی عشق کی منزل کے پاس

غش پہ غش موسیٰ کو آئے حسن کی منزل کے پاس — برقِ ایمن آ کے آسودہ ہے پیکرِ دل کے پاس

ایسی ہی تسکین کیا ایسی تسلی کیا ضرور — آگ بھڑکا دی جگر کی ہاتھ رکھ کر دل کے پاس

پیرِ میخانہ وہ آئی تشنہ کاموں کو نوید — میکدہ پھر رقص میں ہے ساقیٔ محفل کے پاس

جانِ امواجِ تلاطم ہی رہے ہم اہلِ دل — لاکھ طوفانِ بلا اٹھا کیے ساحل کے پاس

اور تو کچھ بھی نہیں سرمایۂ جہدِ طلب — دھڑکنیں ہیں ایک نازک دل کی پیکرِ دل کے پاس

اک جمودِ خفتہ ساماں، اک سکوتِ مضمحل — کھو گیا لطفِ تلاطم آ کے جب ساحل کے پاس

چھین لے یہ بھی خوشی نیرنگِ عالم چھین لے — یادِ گم گشتہ کسی کی رہ گئی ہے دل کے پاس

اک سکونِ بے نہایت ایک اطمینانِ شوق — اور پھر رکھا ہی کیا ہے رہبرِ منزل کے پاس

عشق میرا ناخدا ہے، زندگی طوفانِ غم — کشتیٔ دل ڈوب سکتی ہے مگر ساحل کے پاس

آنکھ بھی حیرانِ جلوہ دل بھی حیرانِ جمال — ان کی خلوت بھی نظر آتی ہے اب محفل کے پاس

اشک آنکھوں میں، لبوں پر آہ، دل میں رنج و غم — اور کیا اس کے سوا ہوگا ہم اہلِ دل کے پاس

اک نظر دیکھا تو دل کو کر دیا مجروحِ غم — کس قدر یہ تیز ہے خنجر مرے قاتل کے پاس

کشمکش میں ہے دلِ اظہر امید و یاس کی
دور منزل سے کبھی ہے اور کبھی منزل کے پاس

(شہداد کوٹ)

جن کے خط کا منتظر ہوں اُن کا خط آتا نہیں
پھر بھی دل ترکِ وفا کا حوصلہ پاتا نہیں

اب نہ پیمانِ وفا ہے اور نہ انعامِ جفا
وہ ستمگر دل پہ اب کوئی ستم ڈھاتا نہیں

دوست بھی گاتے ہیں اسکی غیر تو پھر غیر ہیں
رحم کوئی نامرادِ شوق پر کھاتا نہیں

گل ہے اور خوشبو نہیں، بُلبُل ہے اور نالے نہیں
کوئی اب اُن کی نوازش کی خبر لاتا نہیں

شورشیں دل کی وہی ہیں وصل ہو یا ہجر ہو
بے قراروں کو کسی پہلو قرار آتا نہیں

آپ ملنے تو بھی ملنے کا موقع دیجیے
ظلم کر کے کوئی اتنا بھی تو شرماتا نہیں

مطمئن سے بے شکایت آشنا ہوں گے لب
میں کبھی افسانۂ ماضی کو دہراتا نہیں

رات بڑھتی ہے تو بڑھ جاتے ہیں سائے ہجر کے
صبح کا تارا بھی پیغامِ سحر لاتا نہیں

یا غمِ دوراں کا چکر، یا غمِ جاناں کا زور
خود تڑپتا ہوں مگر دنیا کو تڑپاتا نہیں

زندگی اظہرؔ کی کٹتی ہے فراقِ یار میں
اُن سے ملنے کا کوئی امکاں نظر آتا نہیں

(بہاولپور)

تذکرے جور و جفا کے عام ہوتے جائینگے
ہم تو ہم ہیں آپ بھی بدنام ہوتے جائینگے
جب ہمارا نام لیں گے لوگ راہِ شوق میں
معرکے اُلفت کے سرانجام ہوتے جائینگے
آپ کو اللہ دے کچھ اور توفیقِ ستم!
ہم حریفِ گردشِ ایام ہوتے جائینگے
لاکھ تم قدغن لگاؤ دیدۂ خونبار پر
دل کی بربادی کے چرچے عام ہوتے جائینگے
خونِ ناحق سات پردوں میں بھی چھپ سکتا نہیں
ظلم کرتے جائیں گے بدنام ہوتے جائینگے
ہم کو مرگِ عشق کا اظہار نہ ہو گا غم مگر
اُن کے سر الزام ہی الزام ہوتے جائینگے

(خان سے پور)

گو اچانک ہی ملی مجھ کو رفاقت آپکی
ہاں مگر پہلے سے تھی دل میں محبت آپکی

لب ترستے ہی رہے حرفِ تمنا کے لئے
کسقدر سحر آفریں تھی شان و شوکت آپکی

اتفاقاً مدتوں کے بعد ملنا ہو گیا
پھر سے تازہ ہو گئی مہر و مروت آپکی

چاند تارے بھی رقیبِ آرزو بننے لگے
قابلِ رشکِ دو عالم ہے محبت آپکی

وہ ملاقاتیں وہ رنگارنگ بزم آرائیاں
ہائے وہ دن جب یہ دل تھا اور رفاقت آپکی

اک زمانہ ہو گیا ترکِ تعلق کو مگر
پھر رہی ہے آج بھی نظروں میں صورت آپکی

کسقدر ایذا رساں تجدیدِ الفت ہے مگر
سب گوارا ہے جو حاصل ہو محبت آپکی

راہ بھی دشوار ہے ماحول بھی نا آشنا
ہر قدم پر ہے ضرورت ہی ضرورت آپکی

سرفروشانِ وفا فرہاد و وامق بن گئے
رنگ لا کر ہی رہی آخر عنایت آپکی

ہم سے ہی قائم ہے دنیا میں محبت کا چلن
اپنے حق میں مہرباں نکلی عداوت آپکی

آپ کا اطہر ہمیشہ سے ہے سرگرمِ خلوص
اک ذرا صرفِ کرم تو ہو طبیعت آپکی

(بہاولپور)

متاعِ زندگی رائیگاں ہے
وہ غم جو تحفۂ شعلہ رخاں ہے
کوئی آتش نفس آتش بجاں ہے
یہ شاید احترامِ عاشقاں ہے
وہی میں ہوں وہی برقِ تپاں ہے
قفس میں بھی سکونِ آشیاں ہے
محبت ہے نشاطِ دردِ پیہم
یہ دنیا حادثوں سے جاوداں ہے
ہیں کب سے تیرہ و تاریک راہیں
تیرے جلووں کی رعنائی کہاں ہے
ترا لطف و کرم بھی ناگہاں تھا
ترا جور و ستم بھی ناگہاں ہے
فریبِ دوستی کیسے بھلا دوں
یہی تو حاصلِ عمرِ رواں ہے
کوئی منزل نہیں اب اپنی منزل
اسی کا نام سعیِ رائیگاں ہے
ابھی کچھ آرزوئیں خون ہونگی
ابھی تک نامکمل داستاں ہے
وہ سرگرمِ نوازش ہیں تو اظہر
تمناؤں کی لیکن حد کہاں ہے

(بھاولپور)

ہم پر جو ہر اک لمحہ یہ انعام جفا

رنگینیٔ ماحول پہ حرف آنے لگا ہے

اقرارِ محبت ہے نہ انکارِ جفا ہے

اظہارِ وفا اپنا زمانے سے جُدا ہے

رندانِ بلا نوش ہیں بیگانۂ ہر غم!

یہ نشہ نئے نشۂ خوباں سے سوا ہے

غیروں پہ عنایت ہے مگر ہے مری خاطر

مژدہ ہو کہ اب تکملۂ عہدِ وفا ہے

اُن سا نہیں دنیا میں کوئی مونس و غمخوار

جب اُن سے ملا ہوں یہی محسوس ہوا ہے

ان کا جو اشارا ہو تو سو بار سنا دوں

یہ قصۂ غم یوں تو کئی بار کہا ہے

ہے تجزیۂ وقت ضروری ابھی اظہر

اظہارِ محبت کے لئے وقت پڑا ہے

(بہاولپور)

وہ سامنے ہیں حشر سا اک دل میں بپا ہے
ساحل پہ سفینہ ہے مگر ڈوب رہا ہے

ان کے لب نازک ہیں اور افسانہ مرا ہے
یہ وقفۂ راحت بڑی مشکل سے ملا ہے

غم ہو کہ خوشی زیست کسی حد پہ تو ٹھہرے
دل کشمکش شوق سے گھبرانے لگا ہے

کیوں شام کے ہونٹوں پہ ہے آلام کی سرخی
شاید کوئی اپنے کسی ساتھی سے خفا ہے

نفرت بھی اذیت ہے، محبت بھی اذیت
یہ زیست نہیں معرکۂ کرب و بلا ہے

کلیوں کا تبسم ہو کہ غنچوں کا ترنم
ہوگا وہی جو وقت کے ماتھے پہ لکھا ہے

بنتی نہیں ہے تذکرۂ کاکل و رخسار
کہنے کو یہ افسانہ اچھوتا ہے نیا ہے

اک وہ بھی زمانہ تھا وہ مائل بہ کرم تھے
اک یہ بھی زمانہ ہے، زمانہ بھی خفا ہے

ہر چند نوازش تھی غم کون و مکاں کی
پھر بھی غم جاناں نے بڑا ساتھ دیا ہے

انکار محبت کی نہ جانے ہو سزا کیا
اقرار محبت پہ تو یہ حشر بپا ہے

میخانہ میں بھی تلخیٔ ایام رہی ساتھ
اک لمحہ اگر نشے میں ہو بھی تو کیا ہے

یہ لفظ محبت بھی عجب لفظ ہے اظہر
ہر شخص کے ہونٹوں پہ اک افسانہ نیا ہے

(بہاولپور)

محبت حادثہ سے کم نہیں ہے
مگر اس حادثہ کا غم نہیں ہے

وہ ناحق ہیں جفاؤں پر پشیماں
ہمیں بربادیوں کا غم نہیں ہے

ہر اک دل پر نہیں اُن کی عنایت
ہر اک دل رشکِ جامِ جم نہیں ہے

وہ آئیں شوق نے بجلی گرائیں
مگر اب دل امینِ غم نہیں ہے

ذرا کچھ اور زلفوں کو سنوارو
کہ نظمِ زندگی برہم نہیں ہے

چلائیں تیر جتنے بھی وہ چاہیں
کہ یہ دل خوگرِ ماتم نہیں ہے

بس اک لمحہ کو اٹھیں تھیں وہ نظریں
مگر یہ بھی توجہ کم نہیں ہے

زمانہ سے نہ روٹھو میری خاطر
مرا غم شاملِ ہر غم نہیں ہے

ابھی باقی ہے گنجائش جفا کی
ابھی دل خوگرِ ہر غم نہیں ہے

بس اتنا ہے مآلِ عشق اظہر
مجھے فکرِ غمِ عالم نہیں ہے

(بہاولپور)

دیارِ دلبراں میں گفتگوئے این و آں کب تک
محبت ہے، تو پھر اندیشۂ سود و زیاں کب تک

چھپاؤ گے گل و لالہ سے غم کی داستاں کب تک
چمن والو رہے گا خوفِ برق و باغباں کب تک

تغافل بھی توجہ ہے، توجہ بھی تغافل ہے
یقینِ عشق میں آمیزشِ وہم و گماں کب تک

مناسب ہے کہ اب ماحول سے مانوس ہو جائیں
ستائے گی قفس میں ہم کو یادِ آشیاں کب تک

اگر ہم چپ رہیں گے لالہ و گل بول اٹھیں گے
چھپے گی اہلِ دل کی داستانِ خونچکاں کب تک

ہمیں تسلیم ترکِ عشق لیکن دیکھنا یہ ہے
رہیں گے ہم کسی کی طبعِ نازک پر گراں کب تک

کبھی تو جراتِ اظہار کا بھی وقت آئیگا
لگاؤ گے خیال و فکر پہ پابندیاں کب تک

ہمیں تسلیم ہے حالات سے لڑنا نہیں اچھا
مگر مایوسیاں، محرومیاں، مجبوریاں کب تک

ستم تو ہے بہرصورت ستم کوئی ستمگر ہو
مگر یہ تو کہو یہ امتحانِ عاشقاں کب تک

ہم اُن کے غم سے خوش ہیں مانا ہے ہم کو وفا ذوق ہے
مگر ہم پر رہے گا یہ زمانہ مہرباں کب تک

یہ مانا رونقِ بزمِ رقیباں چند روزہ ہے
مگر یہ انتظارِ انقلابِ آسماں کب تک

شکایت شیوۂ اربابِ الفت تو نہیں پھر بھی
مری تقدیر میں ہے التفاتِ دشمناں کب تک

ابھی تو جی رہے ہیں ان کی یادوں کے سہارے سے
مگر کھائیں گے ہم اظہر فریبِ مہوشاں کب تک

(ملتانی)

اک سفر وہ تھا کہ جب وہ رہنمائے راہ تھا
امن ساحل شورشِ طوفان سے آگاہ تھا
دل کو حاصل تھیں نگاہِ ناز کی دلداریاں
جو بھی منظر سامنے تھا رشکِ مہر و ماہ تھا
ظلمتیں بھی شب کی تھیں مانند انوارِ سحر
اور فلک سا دشمنِ ایماں بھی فرشِ راہ تھا
اس طرف سے عرضِ الفت اس طرف سے التفات
ارتباطِ باہمی بے جبر بے اکراہ تھا
لذتیں ان ساعتوں کی وقف تھیں دل کے لئے
اور رقیبِ کینہ جو مصروفِ اشک و آہ تھا
بدگمانی اور غلط فہمی تھی ساری بے سبب
درحقیقت باعثِ رنجش کوئی بدخواہ تھا
رشک کے قابل تھی ہستی رہروانِ شوق کی
ہر قدم پر انکا لطفِ بیکراں ہمراہ تھا
اس کو معراجِ وفا کہیئے کہ معراجِ خیال
میرے دل کی دھڑکنوں سے اس کا دل آگاہ تھا
مسکراہٹ بھی قیامت، شرم بھی توبہ شکن
کسقدر سحر آفریں آغازِ رسم و راہ تھا
گو مؤذن کی اذاں لائی تھی پیغامِ سحر
اس کو کیا کہیئے کہ پہلو میں وہ رشکِ ماہ تھا
میکدہ میں ایک وہ تنہا نہ تھا گستاخ دید
پیرِ میخانہ بھی اظہر کی طرح گمراہ تھا

(ملتان ۶۹ء)

کبھی توبہ سے رغبت ہے کبھی تکیہ ہے پیماں پر
امید و بیم کا عالم ہے طاری ذہنِ انساں پر

مقدر میں تو ہے دیدار لیکن کیا کریں اسکو
ٹھہرتی ہی نہیں اپنی نگاہیں روئے تاباں پر

نہ گل میں دلکشی باقی، نہ بلبل میں وفا باقی
اب اس سے بھی برا کیا وقت آئیگا گلستاں پر

سُنا یہ ہے کہ وہ [illegible]ق خنجر افگنی میں ہیں
مگر ان حادثوں کا کیا اثر عمرِ گریزاں پر

یہ مانا لذتِ آوارگی قسمت سے ملتی ہے
مگر ساحل پسندوں کا بھی کچھ احسان ہے طوفاں پر

ہمیں تو ہے پتہ تبدیلیٔ ماحول کا لیکن
انہیں اب تک بھروسہ ہے خلوصِ برقِ باراں پر

وہ کیوں صحنِ چمن کو کوچۂ قاتل سمجھتے ہیں
انہیں تو حق نہیں کوئی بھی تزئینِ گلستاں پر

کسی صورت تو چرچہ ہو تمہارے ظلم پیہم کا،
ہمیں تو ناز ہے محرومیٔ جیب و گریباں پر

نہ بال و پر مقدر میں نہ برق و باد کا احساں
چلو اچھا ہے یہ انعامِ غم بھی اہلِ زنداں پر

شکایت اور زمانہ سے، عداوت اور رقیبوں سے
یہ ناحق ظلم ہے، بہتان ہے عشقِ پریشاں پر

وہی کل لائقِ تعزیر ٹھہرینگے زمانہ میں
جواب ہیں خندہ زن ویرانیٔ شامِ غریباں پر

ہمیں ہر حال میں ہے جراتِ عرضِ وفا اظہر
تلاطم سے ہمیں کیا ڈر کہ ہم مرتے ہیں طوفاں پر

(مشتاق)

ترک جس دن سے کیا تم نے مروّت کا چلن
بھول بیٹھے اہلِ دل مہر و محبت کا چلن

لوگ ہنستے ہیں جب آتا ہے کہیں نامِ وفا
اس قدر رسوا ہے دنیا میں محبت کا چلن

ہم کسے کوسیں، کسے الزام دیں، کس سے لڑیں
جب انہیں مرغوب ہے کذب و کدورت کا چلن

دوست کتراتے ہیں، ترکِ دوستی کرتے ہیں لوگ
اتنا عنقا ہو گیا دنیا میں اُلفت کا چلن

تیرے اندازِ تکلّم کا نہیں کوئی قصور
موردِ الزام ہے خود ناز و نخوت کا چلن

کوچۂ اُلفت میں بھی سب ہیں زمانا آشنا
عام اتنا ہو گیا بغض و عداوت کا چلن

بزم پر چھایا ہوا ہے موت کا گہرا سکوت
پھر بھی یاد آتا نہیں رندوں کو جرأت کا چلن

مہرباں ڈھونڈے سے بھی ملتا نہیں کوئی ہمیں
اتنا ارزاں ہو گیا مکر و سیاست کا چلن

ہم شکایت یورش و آلام کی کیسے کریں
راس خود دل کو نہیں فہم و فراست کا چلن

اک مسلسل حادثہ ہے اہلِ اُلفت کے لئے
یہ تکبر، یہ تکدر، یہ حقارت کا چلن

وہ بھلا سکتے نہیں ہم کو عدو کچھ بھی کہیں
ہم سے ہی قائم ہے یہ رشک و رقابت کا چلن

سرفروشانِ محبت کو دعائیں دیجئے
سرخرو ہے آج بھی حق و صداقت کا چلن

قدر پیماں کی کوئی باقی نہ وعدہ کا لحاظ
اب مٹا ہی چاہتا ہے آدمیت کا چلن!

مطمئن رہنا ہے اظہرؔ تم کو ہر ماحول میں
شکر کے ماحول میں کیسا شکایت کا چلن

(سرگودھا)

"ترکِ الفت ہے نہ اقرارِ شناسائی ہے
یہ بھی اے دوست بڑی حوصلہ افزائی ہے

دل ازل سے ہی ترا والہ و شیدائی ہے
بات لیکن یہ بڑی دیر میں یاد آئی ہے

ہم نے جب ترکِ محبت کی قسم کھائی ہے
لوگ سمجھے کوئی آوارہ ہے سودائی ہے

عشق نے جب بھی کیا فکرِ جہاں سے آزاد
زانوئے یار تو کیا دار پہ نیند آئی ہے

جب کبھی ہم نے کیا خواہشِ خوباں سے گریز
محفلِ یار میں اغیار کی بن آئی ہے

ہائے اب اُن کا کرم بھی ہے بہ اندازِ ستم
ہم کو یہ گردشِ حالات کہاں لائی ہے

وسعتِ کوہ و بیاباں بھی نہیں اسکو قبول
دل نے جب سے ترے قدموں میں جگہ پائی ہے

ہم ہمیشہ سے تمہارے ہیں، تمہیں چاہتے ہیں
باقی جو چیز بھی ہے حاشیہ آرائی ہے

کسکو الزام دیں کس کس پہ لگائیں تہمت
ہم نے ناکردہ گناہوں کی سزا پائی ہے

بارہا اپنی حماقت کا ہوا ہے احساس
بارہا ترکِ محبت کی قسم کھائی ہے

اک ذرا اور نگاہ غلط انداز ادھر
داغ لو دیتے ہیں زخموں پہ بہار آئی ہے

التفاتِ نگہِ یار کہاں قسمت میں
اور اگر ہے بھی مقدر میں تو رسوائی ہے

ان سے کہہ دو کہ وہ تدبیرِ مداوا نہ کریں
ہم کو یہ کشمکشِ زیست ہی راس آئی ہے

کیا تعجب ہے، جو ہنستے ہیں دلِ زار پہ لوگ
ہم کو خود اپنے مقدر پہ ہنسی آئی ہے

آپ کا جورِ مسلسل ہے سر آنکھوں پہ مگر
ہم نے کچھ دردِ محبت میں کمی پائی ہے

انکا احسان ہے اظہرؔ جو کریں یاد ہمیں
ورنہ ہم لوگوں کی کب ان سے شناسائی ہے

(کوئٹہ)

ہم سے کیا لغزش ہوئی ہے یہ تو بتلائیں ہمیں
مفت میں ناخوش نہ ہوں، ناحق نہ تڑپائیں ہمیں

ہم رہیں خاموش محفل میں کہ عرضِ غم کریں
کچھ تو بولیں آپ منہ سے کچھ تو سمجھائیں ہمیں

طبعِ نازک پر گراں گذرے گا حرفِ مدعا
آپ ہی لطف و کرم کی راہ دکھلائیں ہمیں

دوستی کی ہے مگر کیا دوستی بھی جرم ہے
یہ تو سوچیں، یہ تو دیکھیں، یہ تو سمجھائیں ہمیں

ہم تو پھر جائیں گے ہم سے بڑھ کے عاشق ہے کوئی
پہلے وہ اپنے ہوا خواہوں سے ملوائیں ہمیں

ہم تو مجبورِ محبت ہیں ہماری بات کیا
آپ ہم سے چاہتے کیا ہیں یہ جتلائیں ہمیں

کیا قیامت ہے کہ ہم چاہیں انہیں جی جان سے
اور وہ جھوٹے دلاسے دے کے بہلائیں ہمیں

یہ بھی کیا فرصت نہیں ان کو رقیبوں سے ذرا
اپنی محفل میں کبھی تو یاد فرمائیں ہمیں

چین سے رہنے نہیں دیتے کسی صورت بھی وہ
دن کو تڑپائیں ہمیں، راتوں کو یاد آئیں ہمیں

ہم کوئی اظہر ہیں جو مرتے ہیں اُن کے نام پر
ان کو ملنا ہے تو دعوت دے کے بلوائیں ہمیں

(ڈھاکہ)

راہ میں جب سامنا ہم سے ہوا کترا گئے
ہم کو اس پر اُن کے سب جور و ستم یاد آ گئے

اُن کی آنکھوں میں سحر تعلق، لفریبی چال میں
ہم فرشتہ تو نہیں انساں تھے، دھوکہ کھا گئے

یوں تو پروانوں کی کیا ہستی تھی، کتنی زندگی
ہاں مگر جلوے خلوصِ شوق کے دکھلا گئے

ہم نے مانا سب گلے شکوے ہمارے تھے غلط
آپ ہی اتنا بتائیں آپ کیوں شرما گئے

قربِ منزل کا تصور بھی تھا بے حد دلنشیں
ہائے وہ گمراہ راہِ شوق جو گھبرا گئے

راہِ غم میں جراُتِ اربابِ الفت دیکھیے
بن بلائے منزلِ دار و رسن تک آ گئے

منفرد تھے وہ حسینانِ جہاں میں اس قدر
جس کی محفل میں گئے چشمِ زدن میں چھا گئے

ہائے وہ برکھا کا موسم، وہ پپیہے کی پکار
یاد جب آئے وہ دن آنکھوں میں آنسو آ گئے

اب لگاؤ اُن کے سینے سے کہ کھینچو دار پر
سر فروشانِ وفا کوئے بتاں تک آ گئے

اب اگر کہنا ہی ہے اظہرؔ تو بس اتنا کہو
ہم کو اُن کے سارے غم سارے ستم یاد آ گئے

(کوئٹہ)

یچ ہے نظروں میں یہ ہستی اب تو آ جاؤ
کب سے ہے ویراں دل کی بستی اب تو آ جاؤ

اشک امنڈتے ہیں آنکھوں سے ہونٹوں پہ آہوں کی یورش
آگ سی اک دل پر ہے برستی اب تو آ جاؤ

اک تم پر ہے قرباں دین بھی سب دنیا بھی تمام
عشق کی دولت اتنی سستی اب تو آ جاؤ

ہر منظر ہے جنتِ ارماں، ہر ساعت فردوسِ امید
کتنی حسیں ہے دل کی بستی اب تو آ جاؤ

موسم تو ہے جوبن پر لیکن ہم لوگ کریں کیا
تم سے تھی سب کیف و مستی اب تو آ جاؤ

اک زمانہ بیت گیا ہے تم کو بن دیکھے
کب سے یہ آنکھیں ہیں ترستی اب تو آ جاؤ

ایک گھڑی بھی ایک صدی ہے دن یوں کٹتے ہیں
کتنی ہے غم کی بالادستی اب تو آ جاؤ

جوشِ وفا کیا چیز ہے اظہرؔ جذبۂ الفت کیا شے ہے
ان پہ تصدق دل سی ہستی اب تو آ جاؤ

(اکتوبر ۷۰ء)

جب خیال و فکر کی حد سے گذر جاتا ہوں میں
شب کی تاریکی میں نورِ زندگی پاتا ہوں میں

حسن کی پاکیزگی تسلیم سب ہم کو مگر
عشق کو پاکیزہ تر، پائندہ تر پاتا ہوں میں

اب کہاں وہ اہتمام شوق و سامانِ عشق
مجھ کو بہلاتا ہے دل اور دل کو بہلاتا ہوں میں

بجلیوں کے سائے میں کٹتی ہے میری زندگی
ظلمتوں کی حد میں رہ کر نور بن جاتا ہوں میں

رات کی تاریکیاں ہوں یا سحر کی روشنی
یاد جب آتی ہے ان کی محو ہو جاتا ہوں میں

کم سے کم اتنا تو حسن و عشق میں ہو ارتباط
مضطرب ہوتے ہیں وہ بے چین ہو جاتا ہوں میں

مسکرا کر مجھ پہ ڈالی تھی کسی نے اک نظر
آج تک دنیائے دل زیر و زبر پاتا ہوں میں

عشق نے سب چھین لی بڑھ کر مری خودداریاں
بن بلائے ان کی محفل میں چلا جاتا ہوں میں

ہر نظر اک ساغرِ مے، ہر نفس اک میکدہ
آج بزم ناز میں کس شان سے جاتا ہوں میں

جستجوئے شغل کا زندگانی نام ہے
جب نظر آتا ہے ساحل تو پلٹ آتا ہوں میں

پڑ رہی ہے مجھ پہ ساقی کی نگاہ التفات
المدد اے جذبۂ الفت لٹا جاتا ہوں میں

مجھ سے وابستہ ہے اطہر رونق بزم حیات
روح ہستی ترجمان شوق کہلاتا ہوں میں

(کانپور)

عظمتِ کعبہ رہے یا شانِ بت خانہ رہے
ساقیا لبریز لیکن دل کا پیمانہ رہے

رنگ پر غم کی بہاریں جوش پر جذبِ جنوں
دور کیوں ایسے میں دیوانے سے دیوانہ رہے

شمعِ محفل آتشِ فرقت میں خود جل جائیگی
اک خطا خاموش اس عالم میں پروانہ رہے

کچھ تو ہونا چاہیئے عہدِ جنوں کی یادگار
میں نہ دنیا میں رہوں تو میرا افسانہ رہے

اک نگاہِ والہانہ پھر اُٹھے دل کی طرف
تا بکے پابندِ عقل و ہوش دیوانہ رہے

خود بخود ہو جائے گی طے شاہراہِ زندگی
اک ذرا سرگرم سوز و سازِ پروانہ رہے

دوسرا رخ بھی زمانہ کو بدلنا چاہیئے
کب تک آخر نامکمل غم کا افسانہ رہے

بادہ نوشوں کی ہے اظہرؔ صرف اتنی آرزو
زندگی جب تک رہے ہاتھوں میں پیمانہ رہے

(کانپور)

حسن والے شوق سے مشقِ جفا کرتے رہیں
فرق لیکن دوست دشمن میں ذرا کرتے رہیں

مدعائے دل ہے، عرضِ مدعا کرتے رہیں
پھر بھی کب تک التجا پر التجا کرتے رہیں

دل کے غم خانہ میں یادِ یار بھی آئے کبھی
اہلِ الفت تا بکے یادِ خدا کرتے رہیں

لاکھ ہم گم کردہ منزل ہیں مگر تا حدِ شوق
کب تک آخر اعتبارِ رہنما کرتے رہیں

کیا قیامت ہے کہ ہم اُن کے ستم پرشاد ہوں
اور وہ توہینِ اربابِ وفا کرتے رہیں

یہ حقیقت ہے کہ ارمانوں کی حد کوئی نہیں
آپ کی مرضی ہے جو کچھ ہے عطا کرتے رہیں

کوئی تو پہنچائے گا پیغامِ دل اُن کے حضور
ہم کو جب موقع ملے عرضِ وفا کرتے رہیں

ہر ستم ہم کو گوارا ہے مگر یہ تو کہو -!
ہم کہاں تک شکرِ ظلم و جور کا کرتے رہیں

اک نہ اک دن اُن پہ الزامِ تغافل آئیگا
اہلِ دل کب تک رقیبوں کا گلہ کرتے رہیں

زندگی بے کار ہے بے ارتباطِ حسن و عشق
وہ نہ ہوں تو اُن کے غم کا تذکرہ کرتے رہیں

احترامِ جلوہ گاہِ ناز ہم پر فرض ہے
اُن کو بھی لازم ہے کچھ خوفِ خدا کرتے رہیں

ہم گذر جائیں گے طوفانوں سے ہنستے کھیلتے
صرف تمیزِ خدا و ناخدا کرتے رہیں

کیا ہماری آرزوؤں کا یہی ہے ماحصل
صرف یادِ یار ہی پر اکتفا کرتے رہیں

آپ کی مرضی رہیں محوِ تکلم غیر سے
ہم پہ لیکن فرض ہے مدح و ثنا کرتے رہیں

ہو مبارک ان کو اظہر دوستی اغیار کی
حق مگر کچھ رہبری کا بھی ادا کرتے رہیں

(پشاور)

ہم کو اُن کے سامنے اندوہِ الم منظور ہیں
ہاں مگر ترکِ خیال سے معذور ہیں

کوئی دیکھے تو ذرا پیرِ فلک کا انتقام
اک محلے میں ہیں اور اک دوسرے سے دور ہیں

دید کے خواہاں ہیں لیکن ان سے مل سکتے نہیں
حلقۂ شام و سحر میں اسقدر محصور ہیں

آپ ناحق کر رہے ہیں زحمتِ بادہ کشی
بادۂ غم کے تصور ہی سے ہم مخمور ہیں

ہم سے قائم اب بھی ہے شہرِ نگاراں کی بہار
لاکھ ہم مایوس ہیں، مغموم ہیں، مجبور ہیں

کسقدر بھولے ہیں یہ نو واردانِ آرزو
بے پئے ہی مست ہیں مسحور ہیں مخمور ہیں

خار کی صورت کھٹکتے ہیں نگاہِ دہر میں
ہم جو شاہدِ عہدِ نو کے سرمد و منصور ہیں

دل لگی، دل کا لگانا، کھیل دل کا توڑنا
پھر بھی ہم اُن کی محبت کے لئے مجبور ہیں

تیرے چہرے کی دمک، تیرے لبوں کی تازگی
ان کو کیا جو احترامِ حسن سے مجبور ہیں

یہ زمانہ کیوں نہ ہو مرہونِ منت آپ کا
آپ کی محفل میں بس تنہا ہمیں مہجور ہیں

لوگ ناحق تذکرہ کرتے ہیں ان کے ظلم کا
ہم تو یونہی تیرہ بختی کے لئے مشہور ہیں

اُن کو اظہرؔ حادثاتِ زندگی کا غم نہیں
جن کے دل ہر وقت یادِ یار سے معمور ہیں

مری ہر سانس وقفِ شادمانی ہوتی جاتی ہے
محبت رفتہ رفتہ زندگانی ہوتی جاتی ہے

تغافل سے بھی ظاہر مہربانی ہوتی جاتی ہے
محبت مدعائے زندگانی ہوتی جاتی ہے

تکلم فتنہ ساماں، مسکراہٹ، رہزنِ ایماں
جوانی نت بلائے ناگہانی ہوتی جاتی ہے

ہوا کے چند جھونکوں پر ہے ہستی شمعِ محفل کی
بہت ارزاں متاعِ زندگانی ہوتی جاتی ہے

محبت مستقل آزار بھی بن جاتی ہے بڑھ کر
کبھی تو ہر مصیبت ناگہانی ہوتی جاتی ہے

زباں میں تاب کب اتنی کہ اظہارِ تمنا ہو
نگاہِ شوق سے کچھ ترجمانی ہوتی جاتی ہے

اب اک اک سانس بپیغام محبت آتا جاتا ہے
بہت رنگین الفت کی کہانی ہوتی جاتی ہے

مزے پر دردِ دل کی داستاں آئی نہ ہو اظہر
سماعت پر گراں میری کہانی ہوتی جاتی ہے

(کانپور)

میکشوں کو فکر این و آں کی فرصت ہی نہیں
حور و غلماں حوضِ کوثر کی ضرورت ہی نہیں
جن کی خاطر دوست دشمن اپنے بیگانے ہوئے
لو وہ کہتے ہیں تمہیں ہم سے محبت ہی نہیں
حسن تو بے تاب ہے، پیغام غم کے واسطے!
اہلِ الفت کے دلوں میں جوشِ الفت ہی نہیں
حالت بے تابیٔ دل سب پہ ہے اظہر عیاں
ہاں مگر لوگوں کی آنکھوں میں مروت ہی نہیں

(کانپور)

تصورِ دیر کا، کعبہ کی صورت دلنشیں ہوگی
محبت درحقیقت امتزاجِ کفر و دیں ہوگی

گریباں چاک ہوگا خون سے تر آستیں ہوگی
چمن میں جب بہار آئے گی وحشت آفریں ہوگی

شراب آنکھوں سے برسے گی نظر عرش بریں ہوگی
حیاتِ میکدہ سرمایۂ دنیا و دیں ہوگی

بہیں گے پینے والے اپنے ساقی کی نگاہوں سے
محبت ابتدا تا انتہا وجد آفریں ہوگی

حجابِ لالہ و گل میں نظر آئے گا میخانہ
بہارِ گلستاں پیکر لیے کتنی حسیں ہوگی

یہ عالم نشۂ مے کا یہ موسم کیف و مستی کا
کہیں تسکین بھی تجھ کو دلِ اندوہ گیں ہوگی

وہ کوہِ طور ہو یا منزلِ دار و رسن اظہرؔ
جہاں جلوہ نظر آئے گا سجدہ میں جبیں ہوگی

(کانپور)

گل میں رنگینی نہیں رونق گلستاں میں نہیں
تم نہیں تو کوئی جیسے بزمِ امکاں میں نہیں

ہو گئی شاید اسی صورت سے شرحِ آرزو
آنسوؤں کا ایک قطرہ چشمِ گریاں میں نہیں

آتشِ دل سے جلا سکتا ہوں بزمِ آرزو
ہاں مگر تو ہی الفت میرے مکاں میں نہیں

چشمِ ساقی دے رہی ہے دعوتِ بادہ کشی
[illegible] سرکشی رندوں کے امکاں میں نہیں

زندگی کا نام ہے طوفانِ غم سے کھیلنا!
جو مزہ ہے درد میں اظہرؔ وہ درماں میں نہیں

(کانپور)

ذرہ ذرہ بن گیا ہے آفتابِ میکدہ
آجکل ہے رنگ پر اپنے شبابِ میکدہ
وہ شفق پھولی کھلا اخگر وہ بابِ میکدہ
آگیا وقتِ طلوعِ آفتابِ میکدہ
میکشو مژدہ کہ وقتِ میکشی آنے کو ہے
چشمِ ساقی سے چھلکتی ہے شرابِ میکدہ
پینے والے پی رہے ہیں آنکھوں آنکھوں میں شراب
بڑھ رہا ہے ہر نفس پر اضطرابِ میکدہ
رقص میں جام و سبو تھے وجد میں دیوار و در
ہم نے ان آنکھوں سے دیکھا ہے شبابِ میکدہ
مست و بے خود ہیں فضائیں زندگی مخمور ہے
پڑ رہا ہے چار سو عکسِ شرابِ میکدہ
جس کی فطرت ہو شرابی آرزو جس کی شراب
میری نظروں میں وہی ہے کامیابِ میکدہ
چشمِ ساقی کی عنایت دستِ ساقی کا کرم
میرا ساغر بن گیا ہے آفتابِ میکدہ
ہر نظر ساغر بکف ہے، ہر نظر مینا بدوش
اللہ اللہ اس قدر جوشِ شبابِ میکدہ
مجھ سے اخگر ہو گا کیا زہد و حرم کا احترام
میرا جزوِ زندگانی ہے شرابِ میکدہ

(کانپور)

شغلِ شراب و شعر بھی کیف آفریں نہیں
تم جو نہیں نظر میں کوئی شے حسیں نہیں

اے ساقیٔ ازل نگہِ التفات ہو
ساغر ہے لیکن اس میں مئے آتشیں نہیں

ہر آستاں سے دور ہے آستانِ شوق
پابندِ دیر و کعبہ کسی کی جبیں نہیں

اک نامرادِ شوق کی اللہ رے بے کسی
دل ہے مگر سکونِ غمِ دل کہیں نہیں

آنکھوں میں اشکِ شوق ہیں لب پہ حدیثِ درد
کہتے ہو کس لئے کہ غمِ دل حسیں نہیں

ساقی کا آستانہ ہے اظہرؔ ہمیں بہت
ہر در پہ سجدہ ریز ہماری جبیں نہیں

(کانپور)

ذرہ کو مہر و مہ کے مقابل بنائیے

اِک بار خاص میرے لئے مسکرائیے

افسانۂ فراق زباں پر نہ لائیے

دل ہی کو رازدارِ محبت بنائیے

ماضی کو حال، حال کو ماضی بنائیے

عنواں بدل بدل کے فسانہ سنائیے

دل میں خیال عرضِ تمنّا نہ لائیے

افسانۂ حیات مکمّل بنائیے

یہ دیکھئے کہ مرکزِ انوار کون ہے؟

تاروں کی آب و تاب پہ ہرگز نہ جائیے

فکرِ حیات و موت سے آزاد کر دیا

اس التفاتِ خاص کے قرباں جائیے

اب کیجئے عطا مجھے منزل سکون کی

اظہرؔ کو بے نیازِ دو عالم بنائیے

(کانپور)

عشق کو حسنِ طلب، حسنِ عطا سمجھا تھا میں
کس قدر آسان مفہومِ وفا سمجھا تھا میں

زیست کو کیا پوچھتے ہیں آپ کیا سمجھا تھا میں
آپ کے جور و ستم کا سلسلہ سمجھا تھا میں

صبحدم دیکھا تو افسردہ تھی وہ بھی بزم میں
شمع کو افسوس اپنا ہمنوا سمجھا تھا میں

عشقِ بے چارا ہی منزل آشنا ثابت ہوا
حسنِ آوارہ کو اپنا رہنما سمجھا تھا میں

جب ملی نظریں، مجالِ گفتگو جاتی رہی
کس قدر آسان عرضِ مدعا سمجھا تھا میں

اک نظر میں دولتِ صبر و سکوں سب چھین لی
راہزن تھا جس کو اپنا رہنما سمجھا تھا میں

درحقیقت کچھ نہ تھا یہ ربط و ضبطِ حسن و عشق
لیکن اس کو حاصلِ عہدِ وفا سمجھا تھا میں

عشق نے اظہر سراپا آہ و نالہ کر دیا
زندگی کو ورنہ سازِ بے صدا سمجھا تھا میں

(کانپور)

عشق میں لازم ہے اتنا تو اثر پیدا کریں
جس طرف دیکھیں ترے جلوے نظر آیا کریں

ہوش و بے ہوشی کی منزل سے گذر جایا کریں
خود انہیں کھویا کریں اور خود انہیں پایا کریں

یہ گھٹائیں نے رہی ہیں دعوت بادہ کشی
تم جو آجاؤ تو شغلِ ساغر و صہبا کریں

خود بخود ساقی کی نظریں ملتفت ہو جائینگی
زندگی میں آؤ حسنِ دل کشی پیدا کریں

خود ہی بادہ، خود ہی منزل، خود ہی ساحل خود ہی موج
بے خودیٔ شوق میں لازم ہے اب سجدا کریں

داستان شوق کی تکمیل کرنے کے لیۓ
زندگی میں پہلے کچھ دشواریاں پیدا کریں

(کانپور)

آنکھ پُرنم نہ ہوئی، نالۂ پیہم نہ ہوا
راز میرا کبھی شرمندۂ محرم نہ ہوا
حسن نے خود ہی الٹ ڈالے حجاباتِ نظر
عشق سے ورنہ کبھی شکوۂ پیہم نہ ہوا
وہ تو موسیٰ تھے جو پھر ہوش میں آجاتے تھے
اپنا یہ نشۂ الفت تو کبھی کم نہ ہوا —!
اشک آنکھوں میں نہیں آہ نہیں ہونٹوں پر
اتنا ویراں کبھی عشرت کدہ غم نہ ہوا
حُسن اور عشق میں اظہرؔ یہ کشاکش کیسی
جذبِ خورشید میں کب قطرۂ شبنم نہ ہوا

اکاون

مسکراتے جائیے، بجلی گراتے جائیے
میری ہستی کو کبھی قابل بناتے جائیے
مات کھاتے جائیے اور مسکراتے جائیے
عشق کا معیار دنیا کو دکھاتے جائیے
شوق نظارہ سلامت، جذبۂ الفت بلند
آزمانا ہے تو مجھکو آزماتے جائیے
اف یہ انداز تغافل اور یہ شرمیلی نظر
قتل کرتے جائیے، دامن بچاتے جائیے
دیکھنے والی نگاہیں دیکھ لیں گی ہر جگہ
آپ ہر ہر گام پر بجلی گراتے جائیے
جھلملاتے ہیں ستارے، ڈگمگاتے ہیں قدم
اک ذرا مجھکو مری منزل بتاتے جائیے
ہر نظر غارت گرِ دل، ہر نظر تمکین ہوش
ہاں اسی انداز سے محفل پہ چھاتے جائیے
آرزوئے زندگی کیا، انتظار موت کیا
جائیے اظہر کو دیوانہ بناتے جائیے

(رکاینہ)

ملتفت جب وہ نگاہ شرمگیں ہو جائے گی
زندگی وجد آفریں، کیف آفریں ہو جائے گی

اے نسیم صبح یہ چھیڑیں تیری اچھی نہیں
آنسوؤں سے تر کسی کی آستیں ہو جائے گی

یہ چمن یہ لالہ و گل یہ بہار رنگ و بو
تم جو آجاؤ گے ہر شے خود حسیں ہو جائے گی

میری خاطر مسکرانے کی نہ کوشش کیجئے
دل کی دنیا اور بھی اندوہ گیں ہو جائے گی

مسکرا کر دیکھ لیجئے دل کی جانب ایک بار
ہستی اظہرؔ محبت کی امیں ہو جائے گی

(کانپور)

ہر نفس پر غمِ جدائی ہے
زندگی کس کو راس آئی ہے
اشک شبنم کے ہو گئے جاری
کیا کلی کوئی مسکرائی ہے
ذرہ ذرہ ہے جلوہ در آغوش
واہ کیا شان خود نمائی ہے
اور کچھ دور ہو گئی منزل
کس کو عذرِ شکستہ پائی ہے
عشق ہی اپنی عظمتیں جانے
ہر نظر اس کی ارتقائی ہے
توبہ اور ایک جام سے توبہ
یہ تو توہینِ پارسائی ہے
رقص میں جام وجد میں مینا
میکدہ میں بہار آئی ہے
سرمئی رنگ پہ چمپئی رخسار
حورِ جنت زمیں پہ آئی ہے
میری دنیا نے عشق میں اظہرؔ
موت اک انقلاب لائی ہے

(کانپور)

فضاؤں سے برستی زندگی معلوم ہوتی ہے
بڑی دلکش مجھے اُن کی ہنسی معلوم ہوتی ہے

محبت کی خوشی بھی ناخوشی معلوم ہوتی ہے
بڑی دشوار ہم کو عاشقی معلوم ہوتی ہے

نظر میں بانکپن، لب پر تبسم، آنکھ میں شوخی
جوانی رنگ پر آئی ہوئی معلوم ہوتی ہے

حرم ہو، میکدہ ہو، دیر ہو، صحن گلستاں ہو
جبین شوق وقف بندگی معلوم ہوتی ہے

حسینوں کی نگاہیں ٹوٹی پڑتی ہیں کیے دل پر
بہت ارزاں متاع زندگی معلوم ہوتی ہے

اُٹھے اور پھر اُٹھے دل کی طرف چشم کرم ان کی
ابھی جذب و کشش میں کچھ کمی معلوم ہوتی ہے

چمن کی داستاں کہتی نہ ہوں صیاد کی نظریں
قفس میں بجلیوں کی روشنی معلوم ہوتی ہے

جہاں پہ رنگ و بو دنیائے مہر و ماہ میں ہم کو
دل گم گشتہ کی تابندگی معلوم ہوتی ہے

کوئی دیر و حرم والا مجھے اپنا نہیں کہتا
بہت آزاد میری بندگی معلوم ہوتی ہے

یہ ذکر بادہ و ساغر، یہ انداز بیاں اظہر
بہت رنگین تیری زندگی معلوم ہوتی ہے

(ہکافیسور)

ذرہ ذرہ میں کسی کو جلوہ گر پاتا ہوں میں

کامیابِ شوق اپنی ہر نظر پاتا ہوں میں

سر اٹھانا جرم ہے نظریں ملانا ہے گناہ

کس قدر برہم مزاجِ حیلہ گر پاتا ہوں میں

جب سے یہ سمجھا متاعِ زندگی کچھ بھی نہیں

اپنی ہستی سے بھی خود کو بے خبر پاتا ہوں میں

قافلہ کی احتیاج اب ہے، نہ منزل کی تلاش

چپہ چپہ پر نشانِ رہگذر پاتا ہوں میں

ہر قدم ان کا تصور، ہر نفس ان کا خیال

خانۂ دل میں انہیں شام و سحر پاتا ہوں میں

جانے کیا انجام ہو گا دلِ مایوس کا

غم ہی غم کو ہر طرف پیشِ نظر پاتا ہوں میں

وہ شفق پھوٹی وہ تڑکا نور کا ظاہر ہوا

شامِ غم کو بھی بہ اندازِ سحر پاتا ہوں میں

دل پریشاں طبع پژمردہ پراگندہ دماغ

زندگی کو آج پامالِ دگر پاتا ہوں میں

جھلملا سکتا نہیں اظہر چراغِ زندگی -!

اپنے رخ پر ان کا دامانِ نظر پاتا ہوں میں

(کانپور)

آنکھوں میں اشک اور لبوں پر فغاں نہ ہو
اظہر کے دل کا راز کسی پر عیاں نہ ہو
ظاہر کسی پہ شمع کا سوزِ نہاں نہ ہو
کہتے ہیں آگ تو لگے لیکن دھواں نہ ہو
ناکام و نامراد ہوں اے بے خودیٔ شوق
ایسی جگہ بتا مجھے کوئی جہاں نہ ہو
صحن چمن ہے، ابر ہے، بادِ بہار ہے
ایسے میں اور دورِ مئے ارغواں نہ ہو
کہہ تو رہی ہے دل کی لگی شمع انجمن
اللہ کرے کسی سے کوئی بدگماں نہ ہو
دنیا میں پھر کرے نہ کسی سے کوئی اُمید
نامہرباں ہو کے جو تو مہرباں نہ ہو
نازک مزاج حسن ستمگر سہی مگر
مجبور اشک و آہ دلِ ناتواں نہ ہو
ماتم کدہ بنا ہے جہانِ نشاط و عیش
اظہر خلاف اپنے کہیں آسماں نہ ہو

(کانپور)

ادا و ناز سے چلمن اٹھائی جاتی ہے
غرورِ حسن کی دنیا دکھائی جاتی ہے
ہوائیں چھیڑ رہی ہیں بہت زمانے کی
چراغِ زیست کی لَو جھلملائی جاتی ہے
قبول ہوں گے مرے اشک واہ کے کہنے
حریمِ ناز کی رونق بڑھائی جاتی ہے
دل و دماغ پہ ہے دن کی کلفتوں کا اثر
قریبِ شام ہے اور نیند آئی جاتی ہے
کسی کی پہلی سی مجھ پر نگاہِ لطف نہیں
کمی سی دردِ محبت میں پائی جاتی ہے
میں بزمِ ناز کی رعنائیوں سے باز آیا
یہاں تو روز قیامت اٹھائی جاتی ہے
بھلا کے دیکھ لی رندوں نے آنکھ ساقی سے
بقدرِ ظرفِ نظر مے پلائی جاتی ہے
خلوصِ دل کا بھی اک روز امتحان ہو جائے
نگاہِ شوق اگر آزمائی جاتی ہے
متاعِ عقل و خرد لٹ نہ جائے اے اظہر
جنوں نواز غزل کیوں سنائی جاتی ہے

(کانپور)

دل کو جب احساسِ غم سے شادماں پاؤں گا میں
اپنے جذباتِ جنوں میں آپ کھو جاؤں گا میں
آئیں گے آنکھوں میں آنسو اور پی جاؤں گا میں
وہ بھی رخ تہ... ضبطِ غم کا دکھلاؤں گا میں
شورشِ آلام میں جب بھی کمی پاؤں گا میں
یاد کر کے پھر کسی کی، دل کو تڑپاؤں گا میں
چپہ چپہ دہر کا عشرت کدہ بن جائے گا
سازِ دل پر جب ترانے شوق کے گاؤں گا میں
آئیں گے ایسے بھی لمحے زندگیٔ عشق میں۔!
جب وہ کہلائیں گے میرے، ان کا کہلاؤں گا میں
زندگی قرباں جب کر دوں گا راہِ شوق میں
ہر قدم پر زندگی ہی زندگی پاؤں گا میں
جب وہ اپنی لغزشوں پر ہوں گے اظہرؔ شرمسار
ان کی بزمِ ناز میں اک روز پھر جاؤں گا میں

(کانپور)

جذبۂ الفت کو مستحکم بنا سکتا ہوں میں
زندگی کو بے نیازِ غم بنا سکتا ہوں میں

ہر نفس لب پر مرے اک داستانِ درد ہے
ساری دنیا کو شریکِ غم بنا سکتا ہوں میں

عشق کو غم کہنے والے تجھ کو یہ بھی ہے خبر
حسن کو بھی آشنائے غم بنا سکتا ہوں میں

اک اشارے پر مرے موقوف ہے دورِ جہاں
صبحِ عشرت کو بھی شامِ غم بنا سکتا ہوں میں

میری فطرت عاشقی ہے عشق میرا سرگوار
ہر نظر کو ترجمانِ غم بنا سکتا ہوں میں

کارفرمائی تو دیکھے کوئی حسن و عشق کی
دل بنا سکتے ہیں وہ اور غم بنا سکتا ہوں میں

عشق کی خودداریوں کا پاس ہے اطہرؔ مجھے
غم کو ورنہ ماورائے غم بنا سکتا ہوں میں

(اکانپور)
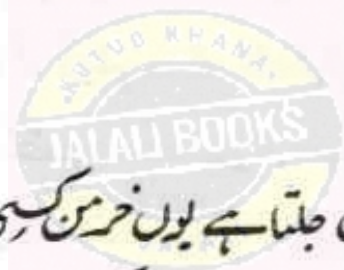
کہیں جلتا ہے یوں خرمن کسی کا
ہوا دیتا رہا دامن کسی کا

زمانہ جیسے بدلا جا رہا ہے
قریب آتا ہے کیا مدفن کسی کا

مجھے ہر شے ہے وجہ شادمانی
مرے ہاتھوں میں ہے دامن کسی کا

وہ عالم بھی عجب عالم تھا جس میں
کسی کا ہاتھ تھا دامن کسی کا

محبت پھول برسائے جہاں پر
وہیں اظہرؔ بنے مدفن کسی کا

رکا نیرسا

بے خودی میں کاش انہیں ہم اس طرح دیکھا کریں
اک نفس کھویا کریں اور اک نفس پایا کریں

مسکرائیں زیرِ لب یا خونِ دل رویا کریں
اے ہجومِ نا اُمیدی کچھ بتا ہم کیا کریں

ذوقِ نظارہ بہ اندازِ دگر پیدا کریں
عشق آئینہ بنے اور حُسن کو دیکھا کریں

جس نے اس دل کو بنایا حاصلِ کون و مکاں
کیوں نہ اب ہم اس نگاہِ ناز کو سجدا کریں

وہ نظر آئیں گے ہم کو دیکھنے کی شرط ہے
ان کو پردہ بھی اگر کرنا ہے تو پردہ کریں

ملتفت ہوں یا نہ ہوں گرمِ تغافل ہوں نہ ہوں
چاہنے والوں کو لازم ہے انہیں چاہا کریں

مل ہی جائے گا کسی کا آستاں اطہرؔ ہمیں
ہر نظر پر سر جھکے ہر گام پر سجدا کریں

(کانپور)

التفاتِ حُسن کے قابل بنا سکتا ہوں میں
اپنے دل کو مرکزِ ہر دل بنا سکتا ہوں میں

ہر ادائے حسن کو قاتل بنا سکتا ہوں میں
ان کے جلووں سے انہیں بسمل بنا سکتا ہوں میں

آ گئی لب پر کسی کے مسکراہٹ آ گئی
زندگی کو اب کسی قابل بنا سکتا ہوں میں

جستجوئے شوق کو درکار ہی کچھ اور ہے
ہر قدم پر ورنہ اِک منزل بنا سکتا ہوں میں

قدرت عقدہ کشائی ناخنوں میں ہے مرے
ماہِ نو کو بھی مہِ کامل بنا سکتا ہوں میں

کشتیٔ دل بحرِ غم میں غرق کر سکتا ہے تو
اور ہر ہر موج کو ساحل بنا سکتا ہوں میں

سننے والا ہو بھی اظہر کوئی رازِ زندگی
ہر نفس کو مدعائے دل سنا سکتا ہوں میں

(کانپور)

سازِ دل پر نغمہ ہائے جانفزا گاتا ہے دل
عاشقی کی مستند تاریخ دہراتا ہے دل !
حسن کے جلووں سے ہے معمور پھر دنیائے شوق
اب وہ کہلاتے ہیں دل کے انکا کہلاتا ہے دل
یاس و حسرت، سوز و حرماں، اضطراب و اشتیاق
کائنات غم میں کتنی وسعتیں پاتا ہے دل
تجھ کو یہ عشرت مبارک لیکن اے مست خرام
تیرے غم میں دربدر کی ٹھوکریں کھاتا ہے دل
کتنا عبرت ناک منظر، کتنی حیرت کا مقام
دل کی دنیا لٹ رہی ہے دیکھتا جاتا ہے دل
اٹھتی جاتی ہیں نگاہیں، بڑھتے جاتے ہیں قدم
ذرہ ذرہ میں انہیں جلوہ نما پاتا ہے دل
جز ترے کوئی بھی دنیائے تصور میں نہیں
اپنے پاکیزہ ارادوں کی قسم کھاتا ہے دل
خیر ہو اظہر متاع زندگی کی خیر ہو
چھوٹتی جاتی ہیں نبضیں، ڈوبتا جاتا ہے دل

(ایکا ضپور)

دھوم ہے تیری بے قراروں میں
جانے کیا شے ہے ان بہاروں میں

حسن پھولوں میں ہے نہ خاروں میں
حسن ہے عشق کے نظاروں میں

زندگی اپنا خود سہارا ہے
اور تو کھو گیا سہاروں میں

ڈھونڈ طوفاں میں گوہر مقصود
کیا ملے گا تجھے کناروں میں

جب سے تو نے نگاہ پھیری ہے
جشن ہے تیرے جاں نثاروں میں

اب نشیمن بھی ہے قفس اظہر
آگ لگ جائے ان بہاروں میں

(کانپور)

مئے وصال سے لبریز جام ہو نہ سکا
میں نامراد کبھی شاد کام ہو نہ سکا

عجیب چیز تھی پابندیٔ محبت بھی
نظر اٹھا نہ سکے اور کلام ہو نہ سکا

ستانے والے ستائیں مگر خیال رہے
کسی کو دہر میں حاصل دوام ہو نہ سکا

چمن میں پھول بھی تھے شورشِ عنادل بھی
زباں کبھی سے مرا کچھ پیام ہو نہ سکا

تمام شوق نظر تھی تمام شوق تھا دل
مگر کبھی سے پیام و سلام ہو نہ سکا

تمام عمر میں کہتا رہا نفس بہ نفس
مگر فسانۂ ہستی تمام ہو نہ سکا

ہزار پردہ دری کی نگاہِ اظہر نے
مگر جو خاص تھا جلوہ وہ عام ہو نہ سکا

(اناؤ)

جفاؤں میں وفا، غم میں خوشی محسوس کرتا ہوں
محبت میں سرورِ دائمی محسوس کرتا ہوں

مری دنیائے غم میں پھر کرن امید کی پھوٹی
ہر اک سوزِ زندگی ہی زندگی محسوس کرتا ہوں

خدا حافظ مرے ٹوٹے ہوئے دل کا خدا حافظ
مزاجِ دوست میں کچھ برہمی محسوس کرتا ہوں

مکمل ہو گئی ہے داستانِ زندگی شاید
کہ دل کی ہر تڑپ کو آخری محسوس کرتا ہوں

ادھر بھی اک نگاہِ شوخ او منہ پھیرنے والے
ابھی تک زندگی میں زندگی محسوس کرتا ہوں

چھپا لے اپنی موجوں میں ذرا اے بحرِ غم مجھ کو
کہ ساحل دیکھ کے کچھ تشنگی محسوس کرتا ہوں

خطائیں بخشنے والا خطائیں بخش ہی دے گا
کر اظہار دل میں اب شرمندگی محسوس کرتا ہوں

(لکھنؤ)

جب سے بزمِ شوق میں جلوہ نما تم ہو گئے
مدعا تو کیا ہے جانِ مدعا تم ہو گئے

ڈوبتی تھی کشتیٔ دل ڈوبنے دیتے اسے
سچ بتاؤ کس کی خاطر ناخدا تم ہو گئے

ایک ناکامِ محبت سے تمہیں کیا واسطہ
درد بخشا تھا تو کیوں اس کی دوا تم ہو گئے

راہ زن لوٹے نہ لوٹے دورِ منزل ہو نہ ہو
اہلِ دل کو خوف کیا جب رہنما تم ہو گئے

قتل کرنے کے لئے کافی تھی جس کو اک نظر
یہ ستم ہے اس کے دل کا آسرا تم ہو گئے

وہ پریشاں حال تو اپنی پریشانی میں تھا
یہ قیامت ہے کہ اب اس سے خفا تم ہو گئے

میں وہی ہوں جس سے پہروں شوخیاں کرتے تھے تم
بات کیا ہے آج جو غرقِ حیا تم ہو گئے

سن کے اظہرؔ کی غزل چہرہ پہ سرخی آگئی
اب صلہ کیا چاہیے میرا صلہ تم ہو گئے

(اٹاوہ)

راستہ بتلا رہا ہے جذبۂ کامل مجھے
اب تو آتی ہے نظر ہر گام پر منزل مجھے

ہوش میں کیوں لا رہا ہے ساقیٔ محفل مجھے
کیوں دکھاتا ہے طلسم حال و مستقبل مجھے

کام آ سکتی نہیں اب عشق کی خودداریاں
حسن کی جانب لئے جاتا ہے میرا دل مجھے

چاند تاروں کی لطافت، بجلیوں کا اضطراب
یہ ادائیں کر رہی ہیں اور بھی بسمل مجھے

ماہ و انجم کی تجلی، لالہ و گل کی بہار
قتل کرنے کے لئے کافی ہیں یہ قاتل مجھے

ڈوبنے والے کو کوئی بھی بچا سکتا نہیں
یوں تو موجوں میں بھی آتا ہے نظر ساحل مجھے

حادثات دہر سے برباد ہو سکتا نہیں
دست قدرت نے بنایا ہے کسی قابل مجھے

ذرہ ذرہ کی حقیقت ہو گئی مجھ پر عیاں
میری فطرت نے بنایا آشنائے دل مجھے

ناخدا کہتا ہے ساحل میری قسمت میں نہیں
تہ نشیں موجوں میں لیکن مل گیا ساحل مجھے

میری ہمت جاوداں، میرے ارادے مستقل
روک سکتی ہے بھلا کیا دوریٔ منزل مجھے

وہ ادا معصومیت کی وہ ادا توبہ شکن
یاد کرتا ہے ابھی تک ساقیٔ محفل مجھے

انقلاب آتا ہے اظہر زندگیٔ عشق میں
کھینچتی ہے اپنی جانب خود مری منزل مجھے

(سلطان پور)

شباب و نوجوانی، شعر و نغمہ حسن کامل ہے
میں شاعر ہوں نشاط زندگانی مجھ کو حاصل ہے

یہ کس کی بارگاہ خاص ہے یہ کس کی محفل ہے
جہاں کا ذرہ ذرہ مہر انور ماہ کامل ہے

بہار گل بداماں ہے امین رنگ محفل ہے
جو سمجھو تو مراد دل ہے، نہ سمجھو تو مرا دل ہے

سمائی جاتی ہیں دونوں جہاں کی وسعتیں مجھ میں
جدھر میں دیکھتا ہوں میری صورت ہی مقابل ہے

قدم لغزیدہ لغزیدہ نظر دزدیدہ دزدیدہ
وہ جادہ میرا جادہ ہے وہ منزل میری منزل ہے

ہراساں ہو رہا ہے کیوں تلاطم خیز موجوں سے
ڈبو کر دیکھ تو کشتی انہی موجوں میں ساحل ہے

جدھر میں چل پڑوں مل جائے مجھ کو رہگذر اپنی
میں بیٹھوں جس جگہ تھک کر وہیں پر میری منزل ہے

خیال وصل باقی ہے نہ احساس جدائی ہے
وہ آئیں شوق سے آئیں یہ دل اپنے قابل ہے

امید و ناامیدی کے مٹے جاتے ہیں سب جھگڑے
نہ اب آساں ہی آساں ہے نہ اب مشکل ہی مشکل ہے

مری ہر سانس لب پر حاصل میخانہ ہے اظہر
شراب حسن سے لبریز میرا ساغر دل ہے

(اٹاوہ)

کیا خبر تھی دشمنِ جاں آسماں ہو جائیگا
بجلیوں کی نظر اپنا آشیاں ہو جائے گا
حسن جس دن مدعائے جسم و جاں ہو جائیگا
گوشہ گوشہ میرے دل کا ضو فشاں ہو جائے گا
کیا خبر تھی سوزِ پیہم جاوداں ہو جائیگا
اضطراب بحر الفت بے کراں ہو جائے گا
چند روزہ ہے بہارِ زیست اے ست خرام
باغِ ہستی ایک دن نذرِ خزاں ہو جائے گا
چار تنکے بھی نہ آئیں گے نظر صیاد کو
اس طرح برباد میرا آشیاں ہو جائے گا
دم تو لینے دے ذرا اے گردشِ لیل و نہار
منتشر ورنہ نظامِ جسم و جاں ہو جائے گا
صبر کی کوشش کہاں تک تابہ کے ضبط
حال اظہر خود بخود رخ سے عیاں ہو جائیگا

(اٹاوہ)

ذرّہ میں کائنات کا جلوہ دکھا دیا
میں کیا تھا عاشقی نے مجھے کیا بنا دیا

جذب و جنونِ شوق نے کیا گل کھلا دیا
لیلیٰ کو قیس، قیس کو لیلیٰ بنا دیا

دامن کا ہوش ہے نہ گریباں کی فکر ہے
دل سے خیالِ یار نے سب کچھ بھلا دیا

حال خراب دیکھ کے بیمارِ عشق کا!
آنسو کسی کے آئے کوئی مسکرا دیا

وہ کامیاب معرکہ حسن و عشق تھا
جس نے نگاہِ ناز پہ سب کچھ لٹا دیا

یہ کہہ کے جانتا نہیں آدابِ عاشقی
اظہرؔ کو بزمِ ناز سے اس نے اٹھا دیا

(اٹاوہ)

آ کہ ہے ویران بزمِ عاشقی تیرے بغیر
موت سے بدتر ہے مجھ کو زندگی تیرے بغیر

خانقہ سونی ہے دیر و کعبہ ہیں اجڑے ہوئے
شوقِ سجدہ ہے نہ ذوقِ بندگی تیرے بغیر

دل سراپا درد و غم ہے جاں مسلسل اضطراب
آنکھ میں شوخی نہ ہونٹوں پر ہنسی تیرے بغیر

حسنِ مہر و ماہ ہو یا جلوۂ شام و سحر
اب کسی شے سے نہیں وابستگی تیرے بغیر

سانس بھی بے ربط ہے الفاظ بھی الجھے ہوئے
کیف مرنے میں نہ جینے میں خوشی تیرے بغیر

غنچہ و گل شیشہ و ساغر دکھاتے ہیں مجھے
روح فرسا ہے خیالِ میکشی تیرے بغیر

ہر نفس میرا چراغِ زیرِ داماں ہے ابھی
گل نہ ہو جائے یہ شمعِ زندگی تیرے بغیر

اے وفا نا آشنا اے بانیٔ جور و ستم
بڑھ رہا ہے حد سے دردِ عاشقی تیرے بغیر

اے انیسِ زندگی اے نو بہارِ آرزو!
آ کہ کملا جائے گی دل کی کلی تیرے بغیر

آ پھر آ جا اظہرِ ناشاد کے غم خانہ میں
ہیچ ہے اس کی نظر میں زندگی تیرے بغیر

(اشادہ)

میکدہ ویراں ہے جانِ میکدہ خاموش ہے
دل کی دنیا لُٹ رہی ہے دلربا خاموش ہے

پتہ پتہ پر بچھی جاتی ہے چادر یاس کی
باغِ ہستی میں بہار جاں فزا خاموش ہے

رونے والے رو رہے ہیں تیری صورت دیکھ کر
اور تو زیرِ کفن اے باحیا خاموش ہے

لوٹ لیں جیسے کسی نے زندگی کی راحتیں
سوزِ دل تو ہے مگر سازِ وفا خاموش ہے

ٹوٹتا ہے کس لئے ہر ہر نفس پر ضبطِ غم
گوشۂ خلوت میں اک نازک ادا خاموش ہے

کشتیٔ دل ڈوبتی جاتی ہے بحرِ عشق میں
اس پہ یہ عالم کہ میرا ناخدا خاموش ہے

میری بربادی تو خیر اک طنز تھی حالات پر
تو مگر کس واسطے اے باوفا خاموش ہے

دل کی ساری آرزوئیں تجھ سے تھیں اے دلنواز
تو نہیں تو آج سے ترا اظہر خاموش ہے

(اظہر)

حسن لینا ہے تو لے میری جاں موجود ہے
عشق کی قسمت میں عمرِ جاوداں موجود ہے

صبح کے تاروں میں کس کو ڈھونڈتا پھرتا ہے تو
سینۂ ارضی میں تیرا رازداں موجود ہے

دیکھنے والا بھی کوئی ہو نگاہِ لطف سے
چند اشکوں میں مکمل داستاں موجود ہے

مل نہیں سکتا سکون دائمی انسان کو
گلشن ہستی میں مرگِ ناگہاں موجود ہے

برق کی بے رحم نظریں اٹھ رہی ہیں بار بار
باغِ دل میں اک نشانِ آشیاں موجود ہے

جان لینی ہے ہو تو لیلو ہاں مگر یہ جان لو
خونِ دل کے قطرے قطرے میں زباں موجود ہے

کیوں ہراساں ہو رہا ہے حادثات دہر سے
اظہر مغموم مرگِ ناگہاں موجود ہے

(اشاوہ)

محبت میں بھی غم کی کارفرمائی نہیں جاتی
محبت میں کبھی تسکین دل پائی نہیں جاتی

نہ جانے یاد کس کی شامِ غم آ کر ستاتی ہے
طبیعت لاکھ کوشش پر بھی بہلائی نہیں جاتی

محبت ہو تو احساسِ محبت بھی یقینی ہے
سمجھ میں آنے والی چیز سمجھائی نہیں جاتی

تصور میں بھی ہے پیشِ نظر تصویر ساقی کی
کوئی عالم ہو اپنی بادہ پیمائی نہیں جاتی

تمناؤں سے بھی اک رنگِ مایوسی نمایاں ہے
بھری محفل ہے لیکن میری تنہائی نہیں جاتی

میں سن کر بات ناصح کی جھکا لیتا ہوں سر اطہر
مگر ترکِ محبت کی قسم کھائی نہیں جاتی

(اٹاوہ)

نظر ملاتے ہی دل میں سما گیا کوئی
تمام ہستیٔ اظہر پہ چھا گیا کوئی
خیال کرتے ہی نظروں میں آ گیا کوئی
عجیب جام محبت پلا گیا کوئی
نیاز و ناز کے منظر دکھا گیا کوئی
تصورات کی دنیا پہ چھا گیا کوئی
نظر نظر سے ملی، دل سے دل جبیں سے جبیں
مجھے بس اتنی خبر تھی کہ آ گیا کوئی
ہر ایک چیز سے بیگانگی ہوئی ظاہر
کچھ اس طرح سے مرے دل پہ چھا گیا کوئی
جمال حسن کی دکھلا کے اک جھلک مجھ کو
حریم شوق پہ بجلی گرا گیا کوئی
وصال یار کی امید کس کو تھی اظہر
مگر یہ اپنی خوشی تھی کہ آ گیا کوئی

(اشاوہ)

مژدہ اے دل جوش پر عہدِ شباب آنے کو ہے
زندگی میں ایک تازہ انقلاب آنے کو ہے

اُٹھتے جاتے ہیں حریم ناز کے پردے تمام
لے کے پیغام نظارہ ماہتاب آنے کو ہے

آ رہا ہے پھر کوئی نازو ادا کے ساتھ ساتھ
انجمن در انجمن پھر انقلاب آنے کو ہے

نیم وا آنکھیں، پریشاں چہرہ، بکھری کاکلیں
کہکشاں در کہکشاں اک انقلاب آنے کو ہے

جھومے جاتے ہیں ہوائے شوق میں اہلِ چمن
کیا کوئی مست نظر مست شباب آنے کو ہے

مسکراہٹ زیرِ لب رفتار میں ہلکی لچک
حسن کی معصومیت کو کیا حجاب آنے کو ہے

جھلملائی جاتی ہیں دیر و حرم کی مشعلیں
حسن جانانہ بہ افگندہ نقاب آنے کو ہے

ابتدا ہوتی ہے اظہر داستان شوق کی
لے کے ساقی بزم میں جامِ شراب آنے کو ہے

(سہارنپور)

انہیں رخ سے پردہ اٹھانا پڑے گا
نگاہوں سے دل میں سمانا پڑے گا

محبت میں آئے گا ایسا بھی اک دن
میں روٹھوں گا اُن کو منانا پڑے گا

نظر پڑ گئی دیر و کعبہ پہ جس دم
انہیں دیکھ کر سر جھکانا پڑے گا،

سراپا غم و سوز و حسرت ہوں لیکن
وہ آئیں گے جب مسکرانا پڑے گا

کشش کہہ رہی ہے محبت کی اظہر
انہیں میری جانب کبھی آنا پڑے گا

(کانپور)
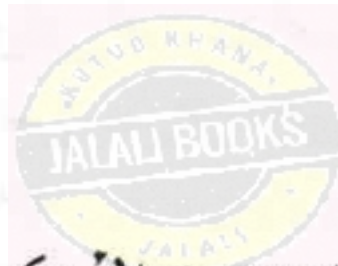
شوق بے حد وجہ رسوائی ہے کیا
شرمِ خوباں وقفِ رعنائی ہے کیا

کس لئے ہے اہتمامِ انجلا
حُسن سرگرمِ خود آرائی ہے کیا

قتل کردو مسکرا کر ایک بار
کیا کہا اس میں بھی رسوائی ہے کیا

دیدہ و دل، لالۂ و گل، مہر و ماہ
سارا عالم اُن کا شیدائی ہے کیا

یادِ اظہرؔ کس لئے ہے اس قدر
آپ کی اِن سے شناسائی ہے کیا

(کانپور)

نغمۂ شوق گا رہا ہے کون
کس کے دل میں سما رہا ہے کون
جامِ صہبا پلا رہا ہے کون
مست و بے خود بنا رہا ہے کون
درد تو ہے مگر نہیں معلوم
دل کی دنیا پہ چھا رہا ہے کون
مسکرا کر ادائے خاص سے آج
اپنا جلوہ دکھا رہا ہے کون
ہچکیاں آ رہی ہیں کیوں مجھ کو
یاد اپنی دلا رہا ہے کون
بے خودِ غم حواس و ہوش سنبھال
کچھ خبر بھی ہے آ رہا ہے کون
اظہرِ بے قرار خیر تو ہے
تجھ کو آخر ستا رہا ہے کون

(کانپور)

نشّہ آنکھوں میں نظر میں مستیاں میرے لئے
مسکراہٹ میری خاطر شوخیاں میرے لئے

عیش و عشرت کے مناظر ہو گئے میرے بغیر
خواب کے عالم خیالوں کے جہاں میرے لئے

میری خاطر ذرّہ ذرّہ مہرِ عالم تاب ہے
ماہ و انجم ہی نہیں ہیں ضوفشاں میرے لئے

غیر پر پیہم عنایات و کرم کی بارشیں
ہر نگاہ قہر لیکن ناگہاں میرے لئے

میں سراپا درد و غم ہوں میں سراپا اضطراب
ہے بجا ہر دعوتِ آہ و فغاں میرے لئے

حسن کو منظور ہیں کس درجہ میری خاطریں
شوخیاں میرے لئے رعنائیاں میرے لئے

کیا اسی کا نام اظہرؔ انقلابِ عشق ہے
ہو رہا ہے آج وہ محوِ فغاں میرے لئے

(کانپور)

میرے تصورات میں آتے چلے گئے
مجھ کو اسیر عشق بناتے چلے گئے
نغمات شوق مجھ کو سناتے چلے گئے
اک آگ اور جگر میں لگاتے چلے گئے
دنیائے عقل و ہوش پہ چھاتے چلے گئے
مرے جنوں کو ہوش میں لاتے چلے گئے
آنکھوں کی راہ دل میں سماتے چلے گئے
ذرّہ کو آفتاب بناتے چلے گئے
ہر شے میں بے حجاب وہ آنے لگے نظر
تا حدِ شوق اپنا بناتے چلے گئے
آغوشِ ناز اُن کا اور اظہر سا بد نصیب
اک خواب جاگتے میں دکھاتے چلے گئے

(کانپور)

دل کے لہو کی ہے جھلک دیدۂ اشکبار میں
حسن کی موج آ گئی حسن کے رودبار میں

صبر کروں تو تا کجا ضبط کروں تو تا بہ کے
طاقت ضبط و جوش عشق اب نہیں اختیار میں

پیکر یاس و حزن ہوں، رنج و الم سے چور ہوں
کیسی خوشی کہاں کا عشق آپ کے انتظار میں

عشق جنوں کا نام ہے عشق کی برکتیں نہ پوچھ
عشق کی شان دیکھ لے دامن تار تار میں

لطف سہی، طرب سہی، جوش سہی، جنوں سہی
تیرے بغیر ساقیا کچھ بھی نہیں بہار میں

اظہرؔ نامرادپر اب تو نگاہ مہر ہو
ہے وہ تمام انتظار عالم انتظار میں

(کانپور)

دل میں خیالِ یار جو آئے تو کیا کروں
ہر دم کسی کی یاد ستائے تو کیا کروں

کوئی تمام عمر جلائے تو کیا کروں
میرا ہی راز مجھ سے چھپائے تو کیا کروں

یہ ابر، یہ کنارۂ دریا، یہ فصلِ گل
ایسے میں ان کی یاد جو آئے تو کیا کروں

ہر صبح، صبحِ یاس ہے ہر شام شامِ غم
پیرِ فلک مذاق اڑائے تو کیا کروں

یہ حادثاتِ عشق، یہ طوفانِ زندگی
طاقت جو دل نہ ضبط کی پائے تو کیا کروں

(کانپور)

حقِ دوستی کا خوب ادا کر رہے ہیں آپ

دل کے لیے مرا مجھ پہ جفا کر رہے ہیں آپ

کیسی یہ بے رُخی ہے یہ کیا کر رہے ہیں آپ

دل کا نشانہ اور خطا کر رہے ہیں آپ

اپنی ادائے خاص کی دکھلا کے اک بہار

جوشِ جنونِ عشق سوا کر رہے ہیں آپ

دنیا سے اُٹھ نہ جائے محبت کا اعتبار

ٹھکرا رہے ہیں مجھ کو یہ کیا کر رہے ہیں آپ

صبر و قرار چھین کے اظہر کے قلب کا

کیا وعدہ وصال وفا کر رہے ہیں آپ

(کانپور)
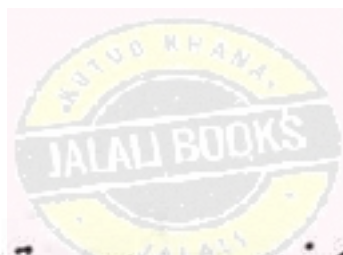
زندگانی کا مزہ بے کار ہے تیرے بغیر

سوز و سازِ آرزو اک بار ہے تیرے بغیر

عیش بھی ہے، عیش کے سامان بھی موجود ہیں

ہر خوشی سے دِل مگر بیزار ہے تیرے بغیر

ہر نفس ہے اِک پیامِ رنج و حرماں ان دِنوں

ہر گھڑی اب زیست کی آزار ہے تیرے بغیر

لُطف کیا شے ہے ترے ہجرِ مسلسل کی قسم

لُطف کا احساس بھی اِک بار ہے تیرے بغیر

اظہرؔ غمگیں و افسردہ پریشاں دلفگار

زندگی سے ناخوش و بیزار ہے تیرے بغیر

(استادہ)

تصور میں آتے چلے جا رہے ہیں
مرے جوشِ الفت کو بھڑکا رہے ہیں

محبت کی تعبیر فرما رہے ہیں
نگاہوں سے دل کو وہ گرما رہے ہیں

حجابات اُٹھتے چلے جا رہے ہیں
اب اک اک نفس ہم انہیں پا رہے ہیں

محبت میں جانے یہ کیا ماجرا ہے
میں گھبرا رہا ہوں وہ شرما رہے ہیں

مرا دل تو مٹی کا تھا اک کھلونا
اسے توڑ کر اب وہ اترا رہے ہیں

یہاں ہیں وہاں ہیں اِدھر ہیں اُدھر ہیں
جہاں وہ چھپے ہیں نظر آ رہے ہیں

کہاں وہ کہاں اظہرؔ دل شکستہ
کرشمہ نظر کا یہ دکھلا رہے ہیں

(کانپور)

شراب محبت پلاتا چلا جا
یونہی جھومتا مسکراتا چلا جا
خیالوں کی دنیا میں آتا چلا جا
فضائے محبت پہ چھاتا چلا جا
حجابوں کے پردے اٹھاتا چلا جا
تصور کو رنگیں بناتا چلا جا
ذرا رخ سے پردہ اٹھاتا چلا جا
جہانِ خودی کو مٹاتا چلا جا
سحر ہو رہی ہے۔ سحر ہو رہی ہے
جدائی کا نغمہ سناتا چلا جا
ادھر میں جدائی کے پردے اٹھاؤں
ادھر تو نظر میں سماتا چلا جا
جدائی میں اظہارِ پریشانیٔ دل
اگر ہو سکے تو چھپاتا چلا جا

(علی گڑھ)

توبہ کے تصور میں بھی مے پیشِ نظر ہے
ساقی کی نگاہوں کا ابھی دل پہ اثر ہے

پیمانہ بھی ہے دور میں، شیشہ کو بھی گردش
ساقی تری محفل میں کسے اپنی خبر ہے

موجوں میں بھی ساحل کی جھلک دیکھ رہا ہوں
طوفان میں کشتی ہے نگہباں پہ نظر ہے

میں نکل کے جہاں بیٹھوں وہی ہے مری منزل
جس سمت نکل جاؤں تری راہ گذر ہے

تخصیص نہیں شیخ و برہمن کی کچھ اظہر
جس دل میں بھی ہو درد وہ اللہ کا گھر ہے

(علیگڑھ)

کسی کی ایک نظر نے کچھ ایسا کام کیا

کہ ہم نے عشق کا سب مرحلہ تمام کیا

میں تیری یاد سے غافل ہوا نہ کوئی گھڑی

نفس نفس پہ تیرا ذکر صبح و شام کیا

وہ عشق کیا کہ زباں پر ہو تذکرہ جس کا

جو ضبط کر گیا الفت میں اس نے کام کیا

ادب تھا مانع اظہارِ دردِ دل تو کیا

زباں خموش رہی آنکھ نے کلام کیا

بہت چھپایا مگر رازِ عشق چھپ نہ سکا

سکوتِ لب نے میری داستاں کو عام کیا

شکوک مٹ گئے ناراضگی تمام ہوئی

میری نگاہ نے کچھ اس طرح کلام کیا

سمجھ لے اتنا تو اے مجھ کو بھولنے والے

کہ تجھ کو یاد میرے دل نے صبح شام کیا

سکونِ دل کو ہوا تازہ زندگی پائی

تری اُمید نے آخر یہ ایک کام کیا

بس ایک اس کی تمنا رہی مجھے اظہر

ملا جو کوئی اسے دور سے سلام کیا

کانپور

دل کو نظر کی زد پہ کئے جا رہا ہوں میں
دنیائے ہوش زیر و زبر پا رہا ہوں میں

سنتا نہ ہو بغور کوئی اس خیال سے
افسانۂ حیات کہے جا رہا ہوں میں

مرکز ہوں کن حسین نگاہوں کا آجکل
ہر منظرِ لطیف کو ٹھکرا رہا ہوں میں

جب سے کسی کی ایک نظر مجھ پہ پڑ گئی
دنیائے اعتبار کو ٹھکرا رہا ہوں میں

اے حادثاتِ دہر مجھے اب نہ چھیڑنا
کوئی بلا رہا ہے چلا جا رہا ہوں میں

پہلی سی ان کی مجھ پہ توجہ نہیں رہی
کچھ اضطراب دل میں کمی پا رہا ہوں میں

الزام روزگار کا شکوہ نہیں مجھے
اپنے کئے کی آپ سزا پا رہا ہوں میں

وارفتگیٔ شوق، پریشانیٔ خیال
موجوں کے ساتھ بہا جا رہا ہوں میں

ساقی کی بزمِ ناز کا اللہ رے ذوق و شوق
ہر ہر قدم پہ جیسے گرا جا رہا ہوں میں

دعویٰ یہ تھا سناؤں گا افسانۂ فراق
اب سامنے وہ آئے تو گھبرا رہا ہوں میں

اظہر اسی کا نام کہیں زندگی نہ ہو
اب آرزوئے زیست سے کترا رہا ہوں میں

کانپور

مسکرا کر شرمگیں نظریں اٹھا جاتے ہوئے
کچھ تو ٹوٹے اس دل کو آسرا جاتے ہوئے

ضبط سے کچھ کام لے اور مسکرا جاتے ہوئے
سازِ دل پر نغمۂ امید گا جاتے ہوئے

یہ پریدہ رنگ یہ اشکِ جدائی یہ سکوت
کہہ رہا ہے دردِ دل کا ماجرا جاتے ہوئے

روح کو گرما کے رکھ دے قلب کو کر دے فگار
کوئی ایسی بھی غزل مطرب سنا جاتے ہوئے

خیرِ ان مجبوریوں کی بات ہی کچھ اور ہے
الوداع اے غمگسار با وفا جاتے ہوئے

شوق ہے گھر کو سدھارو چھوڑ کر جاؤ مجھے
ہاں مگر اک دلربائی کی ادا جاتے ہوئے

میرے سر کا واسطہ میری محبت کی قسم
آنسوؤں کو اب نہ آنکھوں سے بہا جاتے ہوئے

ہر نظر میں تیری رقصاں ہو بہارِ جاوداں
اظہرِ ناشاد کی یہ ہے دعا جاتے ہوئے

کانپور

خلوص عشق و غم جاوداں نہیں ملتا
ہم اہلِ درد کو کچھ بھی یہاں نہیں ملتا

جہاں پہ سجدہ کرے حسن خود نگر خود بھی
جبینِ شوق کو وہ آستاں نہیں ملتا

اک ایسا وقت بھی آتا ہے عہدِ الفت میں
کہ ڈھونڈنے سے بھی اپنا نشاں نہیں ملتا

سکوتِ شمع کو محفل میں گل چمن میں خموش
کسی کو دہر میں اک رازداں نہیں ملتا

انہیں یہ غم ہے کہ آئے گا حسن کو بھی زوال
مجھے یہ غم کہ غمِ جاوداں نہیں ملتا

مٹائے دل سے جو نامہربانیوں کا الم
مجھے تو ایسا کوئی مہرباں نہیں ملتا

سناؤں کس کو غمِ دل کی داستاں اطہر
کہ دردمند کوئی رازداں نہیں ملتا

کانپور

کعبہ تجھ سے ہے کہیں آباد بتخانہ کہیں
ڈھونڈ ہی لے گا ترا در تیرا دیوانہ کہیں

وحشتِ دل چھوڑے جاتا ہو نہ دیوانہ کہیں
ذرّے ذرّے میں نظر آتا ہے ویرانہ کہیں

شمع کے شعلوں کی ہیں پھیلی ہوئی رنگینیاں
سازِ محفل بن نہ جائے سوزِ پروانہ کہیں

چاندنی راتیں ہوں، دریا کا کنارا ہو مگر
تو نہیں تو کچھ نہیں ساقی مستانہ کہیں

کون سنتا ہے کسی کی کس کو ہے کس کا خیال
کہنے والا کہہ رہا ہے اپنا افسانہ کہیں

وہ ملاقاتیں، وہ تنہائی کی راتیں سب ہیں یاد
ایسے عالم کو بھلا سکتا ہے دیوانہ کہیں

اب کہاں وہ بزمِ ناؤنوش کی رنگینیاں
میکدہ ہے اب نہ ساقی ہے نہ پیمانہ کہیں

نور برساتا پھرے خود انجمن در انجمن
شمع کے دل کی لگی جانے جو پروانہ کہیں

ہر قدم پر آ رہی ہیں یاد اگلی صحبتیں
کعبہ کے رستہ میں پڑتا ہو نہ بتخانہ کہیں

منظرِ عبرت ہے اظہر رونقِ بزمِ جہاں
شمع کشتہ ہے کہیں اور خاکِ پروانہ کہیں

کانپور

شوخیاں آنکھوں میں نظروں میں حیا میرے لئے
جو ادا ہے حسن کی حسن ادا میرے لئے

کفر کا کلمہ ہے حرف مدعا میرے لئے
جو روا سب کے لئے وہ ناروا میرے لئے

یہ بہار لالہ و گل یہ فروغ مہر و ماہ
یہ چمن، یہ ساقی رنگیں ادا میرے لئے

اللہ اللہ میری خاطر حسن کا یہ اہتمام
پردے میں جلوہ ہے شوخی میں حیا میرے لئے

بحر ہستی میں چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا
کعبہ کعبہ ہے مرا بتخانہ بتخانہ مرا،
چھوڑ دے ساحل کی کوشش ناخدا میرے لئے
ذرہ ذرہ میں ہے وہ جلوہ نما میرے لئے

لب پہ آہ نارسا آنکھوں میں اشک گرم و سرخ
قافلہ در قافلہ بانگ درا میرے لئے

ہر نفس پر ہے مجھے تار گریباں کا گماں
یہ نیا سودا محبت کو ہوا میرے لئے

کچھ چمن، اہل چمن نے سازیں نے کر لیا
کچھ ہوئی تبدیل بھی آب و ہوا میرے لئے

شاعر درد آشنا ہوں اظہر ناشاد ہوں
اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا صلہ میرے لئے

کانپور

محبت میں نے کی اور آپ سے کی اس قدر پہلے
کہ مشکل سے مجھے ہوتی تھی اپنی بھی خبر پہلے

بتوں کے حسن کا ہوتا تھا دل پر بھی اثر پہلے
مگر منظر میں رہتی تھی حقیقت جلوہ گر پہلے

بڑی راحت رساں تھی زندگی شام و سحر پہلے
ملا کرتی تھی مجھ کو مہماں کی خبر پہلے

بہارِ زندگانی تھے، چمن زار محبت تھے
یہی سودا سر پہلے یہی دیوار و در پہلے

کسی کے ہوش اڑائے اور کسی کر دار پر کھینچا
قریب و دور یکساں تھا نگاہوں کا اثر پہلے

یہ ہلکی مسکراہٹ، یہ نظر شرمیلی شرمیلی
تجھے کچھ بھی نہ کہنے دے گی اے سوزِ جگر پہلے

محبت ہی نشانِ منزلِ مقصود بنتی تھی
محبت ہی نظر آتی تھی سرگرمِ سفر پہلے

کوئی سمجھا نہ سمجھے گا حقیقت زندگانی کی
خبر سے مبتدا ہے، مبتدا سے ہے خبر پہلے

محبت رہ گئی محدود ہو کر قلبِ اظہر میں
محبت کا تو عالمگیر ہوتا تھا اثر پہلے

کانپور

گوشہ گوشہ میں زیارت ہوئی ویرانے کی
آنکھ زنداں میں کھلی رہ گئی دیوانے کی

چھانتا پھرتا ہے خاک آج بھی ویرانے کی
کیسا انداز ہے کیا بات ہے دیوانے کی

ہر نفس جام بہ کف ہر نظر آسودۂ مے
دل کے آئینے میں تصویر ہے میخانے کی

دیکھتا رہتا ہوں ساقی کی نظر کی مستی
مے بھی پی لیتا ہوں چھلکی ہوئی پیمانے کی

دل میں برگشتہ نگاہوں کی خلش کا عالم
یاد جیسے کسی بھولے ہوئے افسانے کی

آنکھ اٹھتی نہیں دل بیٹھا چلا جاتا ہے
وہی میخانہ فضائیں وہی میخانے کی

ہم دکھائیں دلِ مضطر کا تماشہ کب تک
ان کی نظروں کو تو عادت ہے مچل جانے کی

پڑ گئی عشق میں فریاد و فغاں کی عادت
آہ کے ساتھ ہی تمہید تھی افسانے کی

بجلیوں سے بھی بھلا آنکھ لڑاتا ہے کوئی
ضد تو پوری ہوئی لیکن کسی دیوانے کی

پینے والے تو نگاہوں سے بھی پی لیتے ہیں
بادہ و خم کی ضرورت ہے مے خانے کی

دل کی کشتی ہوئی جاتی ہے حوادث کا شکار
اب نہ جینے کی تمنا ہے نہ مر جانے کی

شادی و غم کا مٹا جاتا ہے احساس اظہر
زندگی بھول ہے اور بھول بھی دیوانے کی

ہو دیکھنے کی چیز تو جلوہ کہاں نہیں
حسن تمام کے لئے قید مکاں نہیں

ناکامیوں کا راز کسی پر عیاں نہیں
مجبور اشک و آہ دل ناتواں نہیں

طے خوب مرحلے ہوئے وصل و فراق کے
اب کوئی پردہ اس کے مرے درمیاں نہیں

صحن چمن ہو، میکدہ ہو، خانقاہ ہو
ناکام وصل یار کہیں شادماں نہیں

نغمے برس رہے ہیں فضائے خموش میں
آواز یہ تری تو دلِ ناتواں نہیں

بے التفاتیوں میں ہے اک رنگ التفات
ہم بے کسوں پہ جیسے کوئی مہرباں نہیں

جذب جنونِ عشق مرا رائیگاں نہیں
رخ بھی پھرا ہوا ہے نظر بھی پھری ہوئی

اک اضطراب شوق ہے اک جوشِ آرزو
اظہر کچھ اور حاصل عمر رواں نہیں

کانپور

دل میرا بزمِ ناز کے قابل نہیں رہا
محفل کا حسن زینتِ محفل نہیں رہا

میں اُن کے سامنے ہوں وہ ہیں میرے سامنے
اب کوئی درمیان میں حائل نہیں رہا

آلامِ روزگار کی نیرنگیوں میں بھی
دل یادِ یار سے کبھی غافل نہیں رہا

کس سے کہوں مجاز و حقیقت کی داستاں
اب دل بھی اعتبار کے قابل نہیں رہا

اب میں ہوں اور شورشِ آلامِ زندگی
اظہر نگاہِ لطف کے قابل نہیں رہا

اٹاوہ

جیل کے دن جیل کی راتیں

(نظمِ مسلسل)

•

اشتیاق اظہر

جیل کے دن اور جیل کی راتیں

جیل میں ہمکو آئے مہینہ ہوا
ہاں مگر یہ مہینہ بڑا سخت تھا
جیل جانا انوکھا نہیں ان دنوں
ہاں مگر ہم پہ تھا مرحلہ یہ نیا
پہلے بھی ہم گئے تھے حوالات میں
ہاں مگر آج کل کا زمانہ نہ تھا
وہ حوالات تھی قید کے واسطے
مسئلہ تو نہ تھا قید تنہائی کا
چند گھنٹے رہے تھے حوالات میں
لوگ ملتے رہے وقت کٹتا رہا
ہاں مگر دورِ نو اور ہی دور ہے
ہم کو اس کا پتہ جیل جاکر چلا
جیل کے نام سے لاکھ آگاہ تھے
پھر بھی دیکھا نہ تھا جیل کا مرحلہ
جیل میں آئے جس روز پہلے پہل
دل ہمارا بڑی سخت الجھن میں تھا

ہو گئے اب تو مانوس ہم جیل سے
اب ہمارے لئے جیل کا خوف کیا

(۲)

ہاں مگر ہم کو پکڑا تھا جس رات میں
رات کیسے کٹی کیا کہیں ماجرا
راہ میں روک کر ہم کو دھکے دیئے
اور پھر جیپ میں جا کے بٹھلا دیا
اک پولیس وین بھی تھی سڑک پر کھڑی
اور پولیس مین تھے کوئی دس پندرا
پھر فریر پولیس گھر ہمیں لے گئے
اور جا کر حوالات میں دے دیا
صرف کیڑے مکوڑے تھے اپنے رفیق
رات بھر ایسی حالت میں رہنا پڑا
ہم اکیلے بھی تھے اور بے چین بھی
وقت ہم نے کبھی ایسا دیکھا نہ تھا
گفتگو کس سے کرتے کہ اس حال میں
آدمی دیکھنے کو بھی ملتا نہ تھا
جب بھی چاہا کہ دیکھیں کسی شخص کو
بس اک سپاہی ہمیں دیکھنے کو ملا

اس کو بھی حکم تھا دور ہم سے رہے
اک عجب خوف و دہشت کا تھا مسئلہ
یہ حوالات ایسی حوالات تھی
کوئی کھڑکی نہ تھی کوئی پنکھا نہ تھا
چھت سے مل کر بنے تھے ہوا دان دو
دھوپ کے واسطے بھی ترستا رہا
چاند تاروں کا ہوتا گذر کس طرح
چاندنی کے گذر کا بھی امکاں نہ تھا
چند گھنٹے نہیں، چند لمحے نہیں
رات دن پوچھ گچھ کا تھا اک سلسلہ
پوچھنے والے موجود تھے ہر گھڑی
ہم پہ سختی ہوئی ہم کو ڈانٹا گیا
باری باری سے آتے تھے سب پوچھنے
سوچنے کا بھی موقعہ نہ بخشا گیا
کیا بتائیں کٹے کس طرح آٹھ دن
کوئی بستر نہ تھا کوئی تکیہ نہ تھا
لیٹرن جب گئے ننگے پاؤں گئے
اور یہ وقت ہر روز آتا رہا

ہاتھ منہ کیسے دھوتے، نہاتے کہاں
اس لئے بے نہائے ہی رہنا پڑا
شیو کرنے کی آسائشیں اور جیل
کس کو کپڑے بدلنے کا موقعہ ملا
وقت کیا دیکھتے جب گھڑی چھین لی
وقت نا واقفیت میں کٹتا رہا
صبح آئی تو ہاتف نے آواز دی
دن ڈھلا تو پتہ رات کا چل گیا
بلب جلتا تھا، بجھتا تھا اور اس طرح
وقت کا ہمکو اندازہ ہوتا رہا
ریڈیو اور ٹی وی کی کیا گفتگو
بات کرنا بھی تھا اک بڑا مسئلہ
ہم کو حالات سے واقفیت نہ تھی
کوئی اخبار پڑھتے کو ملتا نہ تھا
چائے کے واسطے بھی ترستے رہے
اور کھانا ملا بھی تو کینٹین کا!

(۳)

ہاں مگر دوسری جو حوالات تھی!
جس میں تھا رنڈیوں کا بڑا جمگھٹا

ہر گھڑی تھا وہاں عاشقوں کا ہجوم
ان پہ سختی نہ تھی ان پہ پہرا نہ تھا
ان کو تنہائی کا خوف ہوتا تو کیوں
گھر کا کھانا انہیں روز ملتا رہا
قہقہے گونجتے تھے حوالات میں
چائے کا دور ہر وقت چلتا رہا
اور ہم ان مناظر کو دیکھا کئے
اور اس کے سوا کر بھی سکتے تھے کیا

(۴)

آٹھ دن اسی طرح جب ہمارے کٹے
ہم کو اپنی رہائی کا مژدہ ملا
جب حوالات سے لائے باہر ہمیں
ہم یہ سمجھے کوئی اور ہے سلسلہ
وسوسے بے سبب دل میں آتے نہیں
اور ہمارا تعجب غلط بھی نہ تھا
ہم تھے آزاد بس اک گھڑی کے لئے
اک گھڑی کے لئے ہم کو دھوکہ ہوا
ہم اسی سوچ میں تھے کہ اب کیا کریں
اپنا سامان تھانے کے اندر ہی تھا

ایک لمحہ رہائی کا بھی تھا بہت
قید دوبارہ کا حکم فوراً ملا
اک سپاہی یہ بولا چلو میر پور
اس طرح وسوسہ دل کا جاتا رہا
وہ یہ بولا خطرناک مجرم ہو تم
جرم تم نے کیا اس جگہ پر بڑا
میں نے یہ عرض کی، یہ غلط بات ہے
میر پور اور ہم، تم کو دھوکہ ہوا
لاکھ ہم بے خطا۔ لاکھ ہم بے قصور
ہاں مگر کون سننے کو موجود تھا
بے گناہی کی کھاتے رہے ہم قسم
ہاں مگر فائدہ کیا قسم کا ہوا!
واقعی ہم خطاوار احوال ہیں
اور یہ جرم ہے آجکل ناروا
ہم نے نمرود کی کیوں خوشامد نہ کی
اب یقیناً بھگتنا ہے اس کی سزا
آج کل کے زمانہ میں خود داریاں
اپنی خودداریوں کا بھی چکھو مزا!

ہم نے چاہا خبر اپنے گھر پر کریں
فون کرنے کا لیکن نہ موقعہ ملا
اپنے بچوں کی تقدیر بھی تھی بری
اس لئے در بدر ان کو پھرنا پڑا

(۵)

لے گئے ہم کو پھر بولٹن مارکیٹ
اور تھانہ میں جا کر کھڑا کر دیا
چائے کی اک پیالی وہاں پر ملی
ایسے ماحول میں یہ بھی احسان تھا
ہم نے چاہا کہ ہم فون گھر پر کریں
ہاں مگر اس کا امکان کوئی نہ تھا
چند لمحے ملے ہم کو آرام کے
بعد میں ہم کو ویگن میں بٹھلا دیا
اور ہم حیدرآباد کو چل پڑے
پابہ زنجیر تھے، سخت افسوس تھا
حیدرآباد آئے تو اسٹینڈ پر
ایک تانگہ میں ہم کو بٹھایا گیا
شیو کو آٹھ دن ہو گئے تھے، ہمیں
ہم کو پہچاننا کوئی آساں نہ تھا

راہ میں پھر بھی اک شخص نے دیکھ کر
ہم سے پوچھا کہ یہ کیا تمہیں ہو گیا
کیا بتاتے اسے ہم کہ قیدی ہیں ہم
کیا بتاتے اسے قید کی ابتلا
اس طرح بس کے اسٹینڈ تک آ گئے
قافلہ اپنی منزل کی جانب چلا

(۶)

اب بھی رسوائی اپنے مقدر میں تھی
بس میں بھی ایک واقف نظر آ گیا
اس نے ہم سے کہا، کیسے احوال ہیں
پھر سپاہی کو دیکھا تو چپ ہو گیا
بے زبانی تھی اپنی رفیق سفر
اس لئے ہم کو چپ چاپ رہنا پڑا
بس رکی راستے میں کئی مرتبہ
دیکھتے دیکھتے میرپور آ گیا
اور تھانے تلک پا پیادہ گئے
ختم اس طرح سے یہ سفر ہو گیا
ہم یہ سمجھے تھے جائیں گے ہم جیل میں
ہاں، مگر وقت زنداں کا آیا نہ تھا

قید کے واسطے بھی سبب چاہیئے
اس لئے ہم کو تھانے میں رہنا پڑا

(۷)

بے گناہی کے باوصف پکڑے گئے
ہم پہ الزام جھوٹا لگایا گیا
سوچتے سوچتے ڈھونڈتے ڈھونڈتے
سادے کاغذ پہ جھوٹا انگوٹھا لگا
اس طریقے سے فریاد داخل ہوئی
کوئی شاہد بنا کوئی منصف بنا
لوگ مجبور ہیں نوکری کے لئے
دین و ایمان ہے نوکری پر فدا
جھوٹ جو بے ضمیری کی اولاد ہے
جھوٹ جو بے ضمیروں کا مشکل کشا
جھوٹ آسان بھی جھوٹ مشکل بھی ہے
جھوٹ لیکن بہر حال ہے ناروا!
رزق خالق سے ملتا ہے انسان کو
کاش ان بے ضمیروں کو ہوتا پتا
کاش اس بات کا علم ہوتا انہیں
ایک دن حشر کا روز بھی آئے گا

ہاں مگر لوگ مرعوب ہیں ظلم سے
اور خوف خدا کا انہیں کیا پتا
جھوٹ پر ہو رہی ہے بسر آج کل
ان کو اللہ سے کچھ نہیں واسطہ
درج جھوٹا مقدمہ نہ کرتے تو کیوں
ان کو اس بات کا حکم جب مل گیا
عافیت ان کو آئی نظر جھوٹ میں
جھوٹ جب بن گیا ان کا حاجت روا
سچ کے کہنے میں بنتی نہ تھی بات کچھ
اس لئے کیس جھوٹا بنا یا گیا
ایک دو دن نہیں۔ چار چھ دن نہیں
ہم کو دس روز تھانہ میں رکھا گیا
قید تنہائی کہنے کو مشکل تو ہے
نسبتاً ہم کو پہلے سے آرام تھا

(۸)

ایک دن دفعتاً جب عدالت گئے
اتفاقاً ہمیں ایک واقف ملا
دیکھ کر ہم کو مغموم تھا وہ بہت
واقعی وہ فرشتہ تھا ہمدرد تھا

اس نے جا کر ہماری خبر گھر پہ کی
اس طرح گھر میں سب کو پتہ چل گیا
وہ ہماری طرف سے پریشان تھے
اور پریشانیاں ان کی تھیں بھی بجا
پوچھتے تھے ہر اک سے ہماری خبر
کس میں ہمت تھی جو اپنا دیتا پتا
ہم دعا گو ہیں اس واقف حال کے
جس نے ان کو ہمارا پتہ دے دیا
آ گئے دوسرے روز سب میرپور
ہم کو ان سب سے ملنے کا موقعہ ملا
کتنا اچھا ہمارے لئے تھا یہ دن
ایک عزیز اور اس دن ہمیں مل گیا
میرپور اور اس میں سہولت ملے
ہم پر اللہ کا یہ بھی احساں ہوا
ناشتہ حسب عادت ملا صبح کو
گھر کا کھانا ہمیں روز ملنے لگا
گھومنے کی اجازت بھی ہم کو ملی
بے ضمیروں کو بھی رحم آنے لگا

مہربانی پہ مائل سپاہی ہوئے
اور حوالدار بھی مہرباں ہوگیا

(۹)

ہم یہ سمجھے پریشانیاں ختم ھیں
ہاں مگر یہ سکوں چند ہی دن کا تھا
دیکھتے دیکھتے سوچتے سوچتے
قید خانہ کا دروازہ وا ہوگیا
ہم جو زنداں کی جانب روانہ ہوئے
جسم میں سنسنی تھی ۔ کڑا وقت تھا
سوچتے تھے نہ جانے وہاں کیا بنے
دل کسی طرح قابو میں آتا نہ تھا
اتنے عرصہ میں کیا دیکھتے ہیں کہ ہم
باب زنداں ہمارے لئے وا ہوا
خود بخود اٹھ گئے سوئے منزل قدم
اور کچھ سوچنے کا نہ موقعہ ملا
جیل میں آئے جیسے تو جیلر کے پاس
ایک برداشتی گیٹ سے لے گیا
ہم کو جیلر نے دیکھا ۔ بٹھایا ہمیں
حال دیکھا تو اس کو بھی رحم آگیا

حال دل میٹھے الفاظ میں پوچھ کر
چند گھنٹے ہمیں پاس اپنے رکھا
گفتگو اتنے میٹھے سروں میں ہوئی
خوف زنداں کا دل میں نہ باقی رہا

(۱۰)

ایک نمبر کی کھولی ہمیں بخش دی
جس میں پہلے سے اک دوست موجود تھا
دوست وہ واقعی دوست کہئے جسے
جس سے تھا نہ میں ربط خصوصی ہوا
ہم کو عینک ملی اور کتابیں ملیں
گھر کے کپڑے ملے۔ گھر کا بستر ملا
جب مکمل ہوئے یہ مراحل تمام
وہ فرشتہ صفت ہم سے رخصت ہوا
آئے جب جیل میں ہم تو کھولی گئے!
اپنا ارباب خوش ہو کے ہم سے ملا
بعد ازاں لوگ ملنے کو آئے بہت
اور کھولی میں اک جمگھٹا ہو گیا
بے سبب ہم پہ ہوتی ہے مشق ستم
چند گھنٹوں میں سب کو پتہ چل گیا

چور بھی ان میں تھے اور ڈاکو بھی تھے
قاتلوں کا تو نمبر تھا سب سے سوا
ان میں سندھی بھی تھے اور مہاجر بھی تھے
اور نمائندہ ان میں تھا ہر قوم کا
مختلف ذات تھی۔ مختلف رنگ تھے
ہاں مگر ان میں کوئی تعصب نہ تھا
قید خانہ میں تھے۔ بھائی بھائی تھے سب
نسل اور رنگ کو قید سے واسطہ

(۱۱)

اور یہ دوست ارباب جس نے کبھی
قید خانہ کا دروازہ دیکھا نہ تھا
جس پہ قربان تھے سارے اربابِ قوم
جو قبیلہ کا تھا واقعی رہنما
روز و شب ہن برستا تھا جس کے یہاں
جو زمیندار تھا اور پائے کا تھا
بے سبب بارشِ ظلم جس پر ہوئی
بے سبب جس کو زنداں میں لایا گیا
ووٹ اس سے لئے جیتنے کے۔ لئے
بعد میں اس کو قیدی بنا یا گیا

عہد و پیماں دھرے کے دھرے ہی رہے
دھوکہ دھوکہ میں ارباب مارا گیا
اس پہ الزام جھوٹے لگائے گئے
ساٹھ دن قید میں اس کو رکھا گیا
گیٹ پر روک کر ڈیپلو لے گئے
جب رہائی کا پروانہ اس کو ملا
چند دن اس کو رکھا حوالات میں
اور پھر میرپور اس کو لایا گیا
ہم ملے اس سے تھانہ میں پہلے پہل
تذکرہ ہے یہ پہلی ملاقات کا
ایک دن پہلے آیا تھا وہ جیل میں
دوسرے دن ہی وہ جیل میں مل گیا
ایک دن کے لئے صرف بچھڑے تھے ہم
ہاں مگر یہ بھی دن سخت دشوار تھا
سب سے اچھی جگہ اس نے سونے کو دی
اور پنکھے کے نیچے کیا بسترا
اب تو ارباب کے بن گئے مہماں
جیل خانہ بھی کوئے وفا بن گیا

(۱۲)

اپنی کھولی میں یوں تو کئی لوگ تھے
سب سے بہتر علی نام کا شخص تھا
جیسے ملتا ہے آرام اولاد سے!
اس نے آرام اس طرح ہمکو دیا
وہ فرشتہ صفت وہ تہجد گزار!
وہ گلستان الفت کا فرماں روا
اس کو آرام کی ہر گھڑی فکر تھی
ہم کو آرام اس سے بہت ہی ملا
ہاں مگر چند ہی دن تھا زنداں میں وہ
چار دن میں اسے ہم سے چھٹنا پڑا
اس کو ہرگز رہائی کی خواہش نہ تھی
جانتا تھا کہ پھر جیل میں آئے گا
سب سے کہتا تھا وہ جیل ہی میں رہو
اور رہائی پہ آمادہ ہوتا نہ تھا
رات میں بھی اسے نیند آتی نہ تھی
جیل سے اس کو جاتے ہوئے خوف تھا
حریت جس سے تابندہ ہے زندگی!
حریت جو ہے مقصود انسان کا!

حریت جس پہ قربان لاکھوں ہوئے
حریت جس پہ انساں جی سے فدا
حریت، ظلم جس سے پراگندہ ہے
حریت جو سہارا ہے مظلوم کا
حریت جو غلاموں کا ایمان ہے
حریت جو ہے انعام اللہ کا!
حریت سرفروشوں کا سرمایہ ہے
حریت ابتدا، حریت انتہا
ہاں مگر حریت سے پریشاں تھا وہ
قید کا خوف اس کو ذرا بھی نہ تھا
سوچئے تو ذرا کون سا وقت ہے
کس قدر سخت ہے عرصۂ ابتلا
یہ وہی حریت آج کے دور میں
اہل دل کے لئے بن گئی ناروا
سوچئے تو ذرا قید منظور ہے
قید وہ جس کو کہتے ہیں ظلم خدا
لوگ ترجیح دیتے ہیں کیوں قید کو
ہاتھ رکھ کر کبھی دل پہ سوچو ذرا

حریت کا نہ لے گا کوئی نام اب
کس قدر سخت ہے حریت کی سزا
جیل سے اس کو جس دن رہائی ملی
چھاچرو کا سفر اس کو کرنا پڑا
جیل سے جیسے نکلا پولیس در پہ تھی
اس نے سوچا تھا جو کچھ وہ ہو کر رہا
چھاچرو جس میں پینے کو پانی نہیں
جیل سے اس کو جانا پڑا اس جگہ
چھاچرو سے تو بہتر تھی یہ قید و بند
اس کا اندیشہ جو کچھ بھی تھا ٹھیک تھا

(۱۳)

جیل میں ریلوے کے بھی قیدی ملے
جن سے ہم کو سبق زندگی کا ملا
یہ بھی تھے بے ضمیروں کے مارے ہوئے
بے سبب جیل میں ان کو ڈالا گیا
ان سے مل کر غلط سارے غم ہو گئے
آگئی راس زنداں کی آب و ہوا
ان میں بچے بھی تھے، ان میں بوڑھے بھی تھے
حال مگر ان کا دیکھو ذرا حوصلہ

ایک کھولی میں بائیس نفر قید تھے
کر رہے تھے مگر قید میں بھی مزا
اک طرف دل لگایا تھا اللہ سے
اک طرف نور و نغمات کا سلسلہ
ہر گھڑی قہقہے ہر گھڑی گفتگو
رات دن سلسلہ تھا ملاقات کا
چلنے پھرنے کی بھی تھی اجازت ہمیں
ختم تھا قید تنہائی کا سلسلہ
جیل میں تھا رواں ایک سیل جنوں
جس کو دیکھو وہی اپنا ہمدرد تھا

(۱۴)

قیدیوں میں تھے ہمدردیوں تو بہت
ان میں قیدی تھا عبداللہ نام کا
شہر کے لوگ اس سے پریشان تھے
ہاں مگر قید میں بھی اسے عیش تھا
یہ پولیس بے جھجک ظلم کرتی ہے جو
اس پہ بھی خوف طاری تھا اس شخص کا
ہاں مگر ہم سے ملتا تھا وہ پیار سے
جیسے رشتہ ہو اک بھائی سے بھائی کا

اس کی ہمدردیاں تھیں ہمارے لئے
اس سے مل کر بڑھا حوصلہ زیست کا
یا تو ارباب سے ہر گھڑی گفتگو
یا پھر اس بھائی سے پیار کا سلسلہ
اور رانا جو تھا سرکش حریت
ہر گھڑی حوصلہ جس کا زندہ رہا
ساتھ اس نے دیا جیل میں ہر گھڑی
جیل کا وقت جس کے سبب کٹ گیا

(۱۵)

آٹھ دن ہم رہے جیل میں میرپور
ہم کو لیکن نہیں جیل کا کچھ گلہ !
یوں تو تکلیف ہم کو کوئی بھی نہ تھی
ہاں مگر حال صحت کا ابتر ہوا
جیل میں تھا تو بس ایک کمپاؤنڈر
کوئی اچھا معالج نہیں مل سکا
پھر بھی ہم جیل میں شاد و مسرور تھے
دل یہاں سے نکلنے پہ راضی نہ تھا
ہاں مگر حکم حاکم کو کیا کیجئے !
حکم کے سامنے سر جھکانا پڑا

ڈاکٹر تھا تو بس حیدر آباد میں
اس لئے حیدر آباد جانا پڑا

(۱۶)

ہاں مگر ہم عدالت میں پہلے گئے
پیش پھر اس میں چالان اپنا ہوا
دونوں ہاتھوں میں زنجیر پہنے ہوئے
اس طرح جیل سے ہم کو لایا گیا
دیکھنے والے منظر یہ دیکھا کئے
اور ہم چپ رہے صبر ہم نے کیا
ہم حکومت کے باغی تھے اس واسطے
ہم پہ الزام تھا ہم نے جلسہ کیا
اور جلسہ میں پھر ہم نے تقریر کی
بعد میں سب میں تقسیم پیسہ کیا
اکتفا ہم نے اس بات پر بھی نہ کی
بعد میں اسلحہ بھی فراہم کیا
شیخ صاحب بھی مجرم بنائے گئے
ہم پہ الزام تنہا نہیں لگ سکا
اور پھر ان کے احباب کو پھانس کر
بیس افراد کا نام لکھا گیا

چھ مہینہ تلک یاد اس کی نہ کی
فروری کے مہینہ کا تھا واقعہ
فروری کے مہینہ کا ذکر اور اب
چھ مہینہ تلک غور ہوتا رہا
یوں مرتب ہوئی داستانِ ستم
اس طرح جھوٹ کا کھیل کھیلا گیا
ہم بھلا دیں تجھے کس طرح میرپور
امتحاں صبر کا اس جگہ پر ہوا
ہاں مگر بعض افراد ایسے ملے
جن کے اخلاق سے وقت اچھا کٹا
جیل میں ہم کو کھانا کھلاتے رہے
آپ کا میر صاحب بڑا شکریہ
پھل بھی ہم کو دیئے چائے بھی پیش کی
ایک مظلوم کا ساتھ اچھا دیا!
آپ کو اجر اس کا ملے گا ضرور
یہ کرم آپ کا سب سے بڑھ کر رہا

(۱۷)

الغرض آ گئے حیدرآباد ہم
سینٹرل جیل آئے تو اتوار تھا

حاکمِ جیل اس روز چھٹی پہ تھا
صرف ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ موجود تھا
اس نے کمرے میں اپنے بلایا ہمیں
جائزہ پھر لیا سارے سامان کا
کچھ کتابیں بھی شامل تھیں سامان میں
دیکھ کر ان کو وہ ہم پہ غصّہ ہوا
اور کہا یہ مناسب نہیں قید میں
اور یہ کہہ کے ان کو الگ رکھ لیا
قابلِ رحم تھی حالتِ دل بہت
اس لئے ڈاکٹر کو دکھایا گیا
ڈاکٹر نے توجّہ سے دیکھا ہمیں
پھر دواؤں کو تجویز اس نے کیا
اس کو صحت کی جانب سے تشویش تھی
وزن جو پندرہ پونڈ کم ہو گیا
بعد ازاں اسپیشل وارڈ میں لے گئے
اور باضابطہ اس میں داخل کیا
یوں تو تھیں بارکیں جیل میں بے شمار
اسپیشل وارڈ ان سب میں ممتاز تھا

اس میں غفار خاں بھی رہے چند سال
اس میں عبدالصمد خاں کو رکھا گیا
اور پیر پگاڑا بھی اس میں رہے
قید کر کے یہاں ان کو لایا گیا
وہ شہادت کے قابل یہیں پر بنے
اور سولی پہ ان کو چڑھایا گیا
میر صاحب جو رہتے ہیں اس شہر میں
ان کو بھی آ کے رہنا پڑا اس جگہ
طالب علم جو آج کے نونہال
طالب علم کل کے جو ہیں رہنما
ان کو بھی سختیٔ قید حاصل ہوئی
ان کو بھی اس جگہ آ کے رہنا پڑا
جانثارانِ ختمِ نبوت کو بھی!
قید میں اسی جگہ لا کے رکھا گیا
جن اسیروں کے تھے نام دیوار پر!
ان میں تھے کچھ جئے سندھ کے رہنما
سندھ سے جن کو سچی محبت نہ تھی
ان کے لب پر تھا نغمہ کسی اور کا

ان کی عقل و خرد کا تھا محور کچھ اور
ملک سے واسطہ ان کو کوئی نہ تھا
گاؤں گاؤں میں جب آگ لگنے لگے
سندھ کے گیت گانے سے کیا فائدہ
ہم اسی سندھ میں آئے تھے ہند سے
جو بالآخر ہمارا وطن بن گیا
اپنے طارق تبسم کا پیارا وطن
سندھ ان دونوں بچّوں کا مولد بنا
میرے ہمراہ نواب و نجمہ بھی تھے
میری خاطر انہیں سندھ آنا پڑا
سندھ سندھی کا بھی ہے مہاجر کا بھی
نام لیتے ہیں ہم سب اسی سندھ کا
سندھ ہے سرزمین وطن کی بہار
وہ وطن جس پہ ہم جان و دل سے فدا
سندھ کی سرزمیں خطّۂ پاک ہے
سندھ پر حق برابر ہے ہر بھائی کا

(۱۸)

وارڈ میں ہم سے پہلے بھی تھے دو اسیر
ایک شعبان تھا ایک مشتاق تھا

دونوں لیڈر تھے اور طالب علم تھے
اور دونوں کا گھر بھی تھا نوابشاہ
اک جئے سندھ کا قائد نوجواں
ایک اصغر کی تحریک کا رہنما
راستے تھے سیاست میں ان کے الگ
ہاں مگر ان میں کوئی تصادم نہ تھا
ہم کو دیکھا تو دونوں کھڑے ہو گئے
مسکرا کر ملے اور کہا مرحبا
پہلے حالات معلوم ہم سے کیے
پھر بتایا ہمیں اپنا نام اور پتا
بے تکلف ہوئے تھوڑی ہی دیر میں
چند لمحوں میں دل ان سے گھل مل گیا
ایک ہی دن رہے وہ ہمارے رفیق
پھر بھی ان کی رفاقت میں آیا مزا
لاکھ ماحول تھا جیل کا اجنبی!
پھر بھی یہ جیل اپنا تھا دیکھا ہوا
حاکم جیل اپنے کئی دوست تھے
جن کی خاطر ہمیں جیل آنا پڑا

(۱۹)

پہلے ملنے کو آئے تھے احباب سے
ہاں مگر اب کا آنا تھا سب سے جدا
اب تو ہم پا بہ جولاں تھے قیدی تھے ہم
اور یہ قیدیوں کے لئے جیل تھا
جیل کے ضابطے ۔ جیل کے قاعدے
ان میں ہر ایک پر ہم کو چلنا پڑا
جیل کی روٹیاں ، جیل کی سبزیاں
سامنے جو بھی آیا وہ کھانا پڑا
یہ غذائیں ہمیں ہضم ہوتی نہ تھیں
ڈاکٹر بن گیا اپنا مشکل کشا
کچھ تو راس آگئیں جیل کی روٹیاں
اور کچھ ڈاکٹر کی طرف سے ملا
اس طرح زندگی اپنی کٹنے لگی!
دل پھر عادی بنا قیدِ تنہائی کا
ایک قیدی ملا کام کے واسطے
اور صفائی کو ایک چھوکرا مل گیا
رات کے واسطے مل گئے دو رفیق
یہ ہمارے لئے اور اچھا ہوا

ہم ترستے نہ تھے گفتگو کے لئے
رات دن اک نہ اک شخص موجود تھا
روز و شب کٹ رہے تھے سلیقے کے ساتھ
ڈاکٹر روز ملنے کو آتا رہا!
بال بچے بھی اک روز آ کر ملے
ان سے مل کر بڑھا اور بھی حوصلہ
خیریت بھائی بہنوں کی بھی مل گئی
یہ بھی اللہ کا ہم پہ احساں ہوا

(۲۰)

جیل تو مرد مومن کی میراث ہے
جیل میں کام کیا رنج و افسوس کا
جیل اندر بھی ہے جیل باہر بھی ہے
جیل میں خوف کیا جیل کا خوف کیا
جیل میں بڑھ گئی مشقِ شعر و سخن
جیل میں شعر کہنے کا موقعہ ملا
فکر دنیا نہیں، خوفِ شیطاں نہیں
جیل میں وسوسوں سے نہیں واسطہ
کوئی کرتا نہیں جیل میں غیبتیں!
قیدیوں کو نہیں فرصت ماسوا

قید خانہ کے یکساں ہیں لیل ونہار
ایک ہی گفتگو ایک ہی مشغلہ
جیل میں کیا ہو آویزش این واں
رشک غائب ہوا اور حسد مٹ گیا
جیل میں سب ہیں اک دوسرے کے عزیز
جیل میں دشمنی کا نہیں سلسلہ
اب نہ کوئی ہوس ہے نہ کوئی خلش
جیل میں مہر و الفت ہے فرماں روا
سب ستائے ہوئے گردشِ وقت کے
غمگساری مقدر ہے ہر ایک کا!
جیل کی زندگی میں وفا شرط ہے
کینہ و بغض ہے جیل میں ناروا
کوئی گنجائش خوف و دہشت نہیں
ہر کوئی مہرباں ہر کوئی ناخدا
جس کو دیکھو خطاکار اخلاص ہے
سب اسیرِ جنوں سب شریکِ وفا
جیل تو ایک بھٹی کے مانند ہے
جیل میں جو بھی آیا وہ کندن بنا

جیل خانہ میں ہر شخص سقراط ہے
ہر کوئی رہنما ، ہر کوئی پیشوا !
قید خانہ کے بارے میں کچھ بھی کہو
ہم کو لیکن مزا جیل میں آگیا

(۲۱)

ظالموں کو دعائیں نہ کیوں دیجئے
جن کے باعث ہمیں جیل آنا پڑا
قید تنہائی جن کے سبب سے ملی
جن کے باعث ہوئے ظلم سے آشنا
جن کے باعث زمانہ میں رسوا ہوئے
اور اسیری کا الزام ہم پر لگا
ہاں مگر تابہ کے، ہوں گی رسوائیاں
ظالمو تم نے یہ بات سوچی ذرا
جو ستم بھی ہوا ہم نے جھیلا اسے
ہم نے مظلوم بننا گوارا کیا

(۲۲)

ہاں مگر آئے گی تم پہ افتاد جب
اس گھڑی کون امداد کو آئے گا

کس طرح تم اٹھاؤ گے ظلم و ستم
تم پہ گزرا کبھی جیل کا مرحلہ!
کس طرح سے بچو گے کہاں جاؤ گے
تم نے دیکھا کبھی انتقام خدا
تم تو اس دور حاضر کے شیطان تھے
اب اٹھاؤ ذرا شیطینت کا مزا
تم نے ہم کو کیا تنگ بے حد مگر
حوصلہ ہم میں جینے کا پھر بھی رہا
جو کرو گے وہی پاؤ گے ایک دن
دھیان آیا کبھی تم کو اس بات کا
حوصلہ اور تم۔ تم کو تو وہم ہے
حوصلہ تو ہمارے مقدر میں تھا
ظلم ہو یا ستم چند روزہ ہے سب
صرف اللہ کا نام رہ جائے گا
تم جو اترا رہے ہو تو کس بات پر
ظلم کا چاند اک روز گہنائے گا
یہ تکبّر تمہاری جو فطرت میں ہے
یہ تو ابلیس کو بھی نہ راس آسکا

ظلمتیں ظالموں کے مقدر میں ہیں
تم کو لیکن نہیں اس کا کوئی پتا
ہم نے دیکھا ہے جو کچھ تمہارے سبب
تم کو بھی ایک دن ہے وہی دیکھنا
ہم تو خوش ہیں کہ ہم ظالموں میں نہیں
ہم کو گنبد کی سننا نہیں ہے صدا